23/2

اے بی سی آڈٹ بیورو اف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

فون نمبر ڈائرکٹ سسٹم

دفتر الحق 052317-340

دفتر دارالعلوم 052317-342

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد ۲۳ شمارہ ۲

صفر المظفر / ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ

نومبر ۱۹۸۷ء

ماہنامہ الحق

اکوڑہ خٹک

مدیر :- سمیع الحق

اس شمارے میں

نقش آغاز	مولانا سمیع الحق	۲
امریکی امداد کا تعطل اور غیر اسلامی قوانین اور نفاذ یابنیت کا تحفظ		
بیرون ملک پاکستانی جج کا شرمناک کردار		
مسئلہ افغانستان، شریعت بل اور بہروپیے وزیر		
صحبتے با اہل حق	افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق	۸
ملت کا تحفظ، تحریک نفاذ شریعت اور غلبہ اسلام	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۱۲
نظریہ ارتقا اور ماقبل آدم مخلوق	مولانا شہاب الدین ندوی	۲۳
خوان زعفران	مولانا عبدالقیوم حقانی	۳۵
مستشرقین کا طریق واردات اور استعمار کی حمایت	مولانا عبدالقدوس ہاشمی	۳۹
چراغ حنفیت اور مخالفت کے پھونکے	مولانا محمد عبدالمعبود صاحب	۴۹
دور جدید کا سائنسی معیار اور دین اسلام کی ابدیت وآفاقیت	مولانا وحید الدین خان	۵۳
شمع عرفان (بیاد مولانا عبدالہادی مرحوم)	حافظ محمد ابراہیم فانی	۶۱
تبصرہ کتب	عبدالقیوم حقانی	۶۲

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰ روپے	بیرون ملک بحری ڈاک	چھ پونڈ
فی پرچہ	۴ روپے	" ہوائی ڈاک	دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

- امریکی امداد کا تعطل • غیر اسلامی قوانین اور زنا دیانیت کا تحفظ
- مسئلہ افغانستان • بیرون ملک پاکستانی جج کا شرمناک کردار
- ارباب حکومت شریعت نہیں اکبر کا دین الٰہی چاہتے ہیں
- شریعت بل اور بہروپئے وزیر و مشیر

پاکستان کے سب سے بڑے جمہوری ادارے سینٹ میں جناب مولانا سمیع الحق مدیر الحق نے ۲۱ اور ۲۴ ستمبر کو بعض قومی و ملی، عالمی اور اہم ملکی مسائل پر تحاریک التواء پیش کر کے بحث اور خطاب فرمایا ذیل میں سینٹ سیکرٹریٹ کی رپورٹ سے نقل کر کے پیش خدمت قارئین ہے (ادارہ)

۲۴ ستمبر سات بجکر تیس منٹ

مولانا سمیع الحق | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جناب چیئرمین صاحب میں تحریک التواء پیش کرتا ہوں کہ حالیہ اجلاس ملتوی کر کے ملکی و قومی اور دفاعی اہمیت کے اہم ترین مسئلہ "پاکستان کو امریکی امداد کے تعطل" کو زیر بحث لایا جائے۔ ملکی سرحدات استحکام اور بقا و تحفظ کے پیش نظر اس قدر اہم مسئلہ میں تاخیر اور اب تعطل پوری قوم کے لئے تشویش اور غیر یقینی صورت حال کا باعث ہے۔ متعلقہ تمام پہلوؤں کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ امریکہ کے سینٹ کی ، ارکنی خارجہ تعلقات کی کمیٹی نے پاکستان کی فوجی اور اقتصادی امداد کے لئے اپنی قرارداد میں جو شرائط شامل کی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ امریکی صدر ہر سال اس مفہوم کا ایک سرٹیفکیٹ جاری کریں کہ حکومت پاکستان اقلیتوں مثلاً احمدیوں کو مکمل شہری اور مذہبی آزادیاں نہ دینے کی روش سے باز آ گئی ہے۔ اور ایسی تمام سرگرمیاں ختم کر رہی ہے جو مذہبی آزادیوں پر قدغن عائد کرتی ہیں۔

جناب چیئرمین۔ مائیک خراب ہونے کی وجہ سے آواز صاف سنائی نہیں دے رہی۔

مولانا سمیع الحق | جناب والا۔ پوری قوم کی نگاہیں اس مسئلہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اس سے پاکستان کی سالمیت اور تحفظ کا مسئلہ وابستہ ہے۔ اس طرح سے ہر لحاظ سے یہ معاملہ قومی نوعیت کا ہے اس طرح سے آپ ایوان کو اس پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیں۔ یہاں کوئی حزب اقتدار اور حزب اختلاف والی بات نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر پورے ایوان کے جذبات ایک ہیں۔

جناب والا! کسی ملک کی امداد پر رہنا کسی غیور زندہ قوم اور مسلمان قوم کے لئے مناسب نہیں ہے۔ ہم ایک

آزاد قوم ہیں اور ہم نے بڑی عظیم قربانیوں سے یہ ملک حاصل کیا ہے۔ اس وقت ہمارا ملک بدقسمتی سے کچھ ایسے جغرافیائی حالات سے دوچار ہے جن سے بعض سپر طاقتیں ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں اقتصادی امداد کا سلسلہ جاری ہے اور بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں کی امداد کر رہی ہیں۔ جو کہ درحقیقت مدد نہیں ہوتی بلکہ سود پر رقم دیتے ہیں جیسے پھر امداد حاصل کرنے والے ممالک سود در سود واپس ادا کرتے ہیں۔ اور یہ سودی نظام ساری دنیا میں رائج ہے۔ اس کو وہ اقتصادی امداد کا نام دے کر طرح طرح کے قومی، ملی اور دینی و سیاسی مفادات سے کھیلتے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک حساس صورتِ حال افغانستان کی موجود ہے۔ اس کے بارے میں ہماری جو پالیسی ہے وہ ہمارا اسلامی فریضہ ہے اور دینی اہمیت کی بنا پر ان کی امداد ہم پر فرض ہے۔ لیکن امریکہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اور ہمارے ملک کے دفاع کو کمزور کرنا چاہتا ہے جب کہ اس صورت حال میں ہمارے ملک کو ایٹمی توانائی کے حصول سے روکنا۔ اس کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا کسی طرح بھی امریکہ کو زیب نہیں دیتا۔ اسی طرح کی پالیسی اس نے عرب ممالک کے متعلق اپنا رکھی ہے۔ ایک طرف امریکہ نے اسرائیل کو ایٹمی طاقت بنایا ہے اور اسے عربوں کے سر پہ بٹھا رکھا ہے۔ اور ان کو پریشان کرنا چاہتا ہے۔ لیکن دوسری طرف جو اسلامی ممالک ہیں ان کو امداد سخت قسم کی شرائط لگا کر دیتا ہے۔ یہی پالیسی اس نے جنوبی افریقہ کے بارے میں اپنا رکھی ہے۔ ایک بھی ایسا ملک نہیں ہے جسے وہ بلیک میل نہ کر رہا ہو۔ اور وہاں سے اپنے مفادات نہیں اٹھا رہا ہو۔ مسلمان قوم پر یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو تیار رکھے اور اپنے آپ کو مسلح رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم

ایٹمی طاقت حاصل کرنا ہماری عین اسلامی ضرورت ہے۔ پاکستان ہر لحاظ سے اپنے آپ کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ اس معاملے میں امریکہ نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ کوئی بھی انصاف پسند ملک اسے سراہ نہیں سکتا۔ پھر یہ جو امداد آ رہی ہے اسے ایک طرف وہ ہمیں ایٹمی طاقت بننے سے روکنے کے لئے استعمال کر رہا ہے اور دوسری طرف ایسی شرائط ہمارے سامنے رکھ رہا ہے جو قطعاً ہمارے لئے قابلِ قبول نہیں ہیں۔ اخبارات میں جو کچھ آیا ہے ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری آزادی پر بھی قدغن لگانا چاہتا ہے۔ ہمارے اسلامی ملک اور بحیثیت مسلمان کے جو احساسات ہیں ان کے بارے میں آپ امریکہ کو بتا دیں کہ یہ شرائط ہمیں قطعی ناقابلِ قبول ہیں ہم کسی ایسی امداد کو قبول نہیں کریں گے۔ یہاں اقلیتوں کے پورے حقوق محفوظ ہیں۔ کسی کو بھی اپنی عبادت سے روکا نہیں جا رہا۔ وہ تو ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہم سرٹیفکیٹ جاری کریں۔ یہاں کی اقلیتوں کو غلام نہیں بنایا جا رہا۔ ان کو پیٹا نہیں ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ ہماری آزادی، غیرت اور وقار اور آزادی کے خلاف عمل ہو گا۔

مسلمان قوم کی حیثیت سے اللہ نے ہمیں جو حقوق دیئے ہیں ان کے تحت ہم زندگی گزارنا چاہتے ہیں اگر ہم ان سب حدود و قیود پہ پابندی لگا دیں تو پھر بالکل امریکہ کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔

پھر جناب والا ہمارے خلاف صیہونی لابیاں بنائی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں قادیانی امریکہ میں انتہائی سرگرم ہیں یہاں سے ہزاروں خطوط امریکی صدر اور انتظامیہ کو لکھے جاتے ہیں کہ ان کی امداد معطل کی جائے۔ میں جناب عرض کرتا ہوں کہ امداد نہیں چاہیے بلکہ ہمیں آزادی، سالمیت اور تحفظ چاہیے۔ آپ ایوان کو اس موشن کے ذریعہ اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیں۔ آپ کی عنایت ہو گی۔

مولانا سمیع الحق | آپ اور میرے درمیان پچھلے ہال میں بہت موٹی سی دیوار حائل کرائی گئی تھی۔ اب آپ مائیک ہی کاٹ دیتے ہیں۔

مولانا سمیع الحق | میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ صورت حال ساری قوم کے سامنے ہے۔ فوری اور قومی نوعیت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ ایوان کو اس پر بحث کرنے کا حق دیں تو ہم اس کے ہر پہلو پر انشاء اللہ روشنی ڈال سکیں گے حکومت بھی اس سے استفادہ کرے گی۔ تفصیل سے وزیر خارجہ صاحب بھی اس پر موقف پیش کریں گے ایسا نہیں ہو گا کہ اس سے کوئی نقصان ہو۔

جناب چیئرمین | جی، اور کچھ کہنا ہے۔

مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین صاحب۔ آپ نے ابتداء میں جن چھ محرکین کا حوالہ دیا میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تحاریک میں اور میری اس تحریک میں بڑا فرق ہے۔ اس میں جو چیز سامنے رکھی گئی ہے اس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ امریکہ اپنی امداد کو معطل رکھتا ہے یا بحال کرتا ہے یا اس کو مؤخر کرتا ہے۔ اگر امریکہ ان شرائط کے ساتھ اس کو معطل نہیں کرتا۔ جاری بھی رکھتا ہے تو میں آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہتا ہوں کہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے وہ امداد جو کہ ہمارے ملک کی آزادی کو سلب کرے اس کے اسلامی تشخص کو ختم کرے اور ہمیں اپنے مذہب اور اسلامی روایات پر چلنے کا موقع نہ دے تو وہ امداد معطل نہ بھی کرے اور جاری رہے تو وہ بہت زیادہ خطرناک ہے۔ یہ شرط جو ہے وہ ہمیں بالکل پابند بناتا ہے ہم صحیح پالیسیوں پر عمل نہیں کر سکیں گے اور اپنے عوام کو جو شہری حقوق جو اسلام نے دیئے ہیں وہ نہیں دے سکیں گے۔ اس صورت حال پر دوسری تحاریک التواء میں کسی نے توجہ نہیں دی۔

مولانا سمیع الحق | اس میں یہ تخصیص آجاتی ہے کہ ہم یہ شرط تسلیم نہیں کریں گے۔ بالخصوص جس شرط کا آپ نے ذکر کیا ہے اس سے پوری قوم کو تشویش ہے۔ تو اس قسم کی وضاحت ہونی چاہیئے کہ ان شرائط کے ساتھ ہم امداد قبول کریں گے۔

جناب چیئرمین | اسی وضاحت کا اظہار کیا گیا تھا یہی وہ کمونیکیٹ کیا گیا ہے۔ یہی تو میں آپ کو بار بار سمجھا رہا ہوں کہ حکومت کا جہاں تک تعلق ہے انہوں نے کیا ہوا ہے۔ آخری شرائط جن کا اطلاق آپ پر امریکہ کرنا چاہے گا۔ اس کا نہ آپ کو پتہ ہے نہ مجھے پتہ ہے۔ وہ جب کانگرس کے سامنے آئے گا تو پھر پتہ چلے گا کہ کیا شرائط ہیں۔

برطانیہ میں پاکستانی جج کا شرمناک کردار اور مولانا سمیع الحق کی تحریک التواء ۔ ۱۱ ستمبر سات بج کر تیس منٹ

مولانا سمیع الحق | بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔جناب چیئرمین صاحب میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ سینٹ کا حالیہ اجلاس ایک ایسے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ملتوی کیا جائے جس سے پوری پاکستانی قوم کا سر شرم سے جھک گیا ہے اور جس سے پارلیمنٹ کے معزز ارکان کا بھی استحقاق مجروح ہوا ہے ۔کیونکہ اس واقعہ نے پورے ملک کے وقار اور عدلیہ کی عظمت کو مجروح کر کے تمام پارلیمنٹ کو شدید صدمہ پہنچایا ہے ۔روزنامہ نوائے وقت ۲۶ اگست ۱۹۸۷ رقمطراز ہے کہ ایک برطانوی مجسٹریٹ نے پاکستانی جج سید محمد اقبال جعفری کو جو لاہور کے درجہ اول کے جج ہیں ایک ہفتے کے لئے جیل بھیج دیا ہے ۲۲ اگست کو ہیتھرو ایرپورٹ پہنچنے پر اقبال جعفری کے دو سوٹ کیسوں سے اڑھائی لاکھ پونڈ کی ہیروئن برآمد ہوئی تھی ۔ ہیروئن سوٹ کیس کے پیندوں میں چھپائی گئی تھی ۔

جناب چیئرمین | منشیات کی سمگلنگ میں پاکستان کی اس حد تک بدنامی ہوئی ہے کہ پارلیمنٹ کے لئے لمحہ فکریہ ہے ۔اور یہ معاملہ تو ملک کے باوقار عدلیہ کی عظمت پہ ایک افسوسناک دھبہ ہے اس لئے اس پر غور کیا جائے ۔

جناب چیئرمین | اقبال خان صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابھی میں نے تحریک شروع نہیں کی تو انہوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں مجھے دال میں کچھ کالا کالا لگ رہا ہے ۔ان کا بھی کچھ حصہ ہوگا ۔آخر وکیل ہیں ۔

پہلے میں یہ گذارش کر رہا ہوں کہ یہ ایک جزوی واقعہ ہے لیکن اس نے پوری قوم کی ایک بھیانک تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی ہے ۔منشیات بدقسمتی سے پوری قوم کا نشان بن چکا ہے اور اس روگ نے قوم کے ہزاروں نونہالوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ۔اور گھر گھر یہ وبا پھیل گئی ہے پولیس سے یہ مسئلہ نہیں حل ہو سکا بلکہ وہ اس کی سرپرستی کر رہی ہے باقاعدہ گھر جا کر صبح اپنے وظیفے لے لیتی ہے ۔ہمارے جو ایئرپورٹ ہیں وہاں سے گزر کر یہ چیزیں کیسے چلی جاتی ہیں عام ان پڑھ اور جاہل قسم کے لوگ تو بہرحال بدنام تھے لیکن ملک کی معزز عدلیہ کا ایک معزز فرد اور جج اس جرم میں پکڑا جائے تو ہم دنیا کے سامنے کیسے سر اٹھا سکیں گے ۔اس معاملہ کو ایک جزوی واقعہ نہ سمجھیں ۔اس کو پورے ملک، پارلیمنٹ اور عدلیہ کا مسئلہ بنا کر سوچیں ۔اس کا کیا تدارک کیا جا سکتا ہے اور اس مسئلے پر حکومت کیا قدم اٹھاتی ہے ۔

جناب اقبال احمد خان | اس قسم کی تحریکیں جب قوم کے سامنے جائیں گی تو پھر اس ایوان کا مذاق اڑے گا ۔کہ جہاں اپر ہاؤس میں قوم کے راہنماؤں نے قوم کو صحیح راستہ دکھانا ہے وہاں وہ کیسی باتیں کرتے ہیں ۔میں سمجھتا ہوں کہ جب اس تحریک استحقاق کا اخباروں میں ذکر آئے گا تو پھر اس ایوان کا استحقاق مجروح ہوگا کہ کیا وہاں اس قسم کے ممبر بیٹھے ہوئے ہیں جنہیں اتنا بھی علم نہیں کہ اگر ایک چور یا ایک ملزم پکڑا جائے تو استحقاق ان کا مجروح ہو جاتا ہے ۔

جناب ڈپٹی چیئرمین | ۔ مولانا سمیع الحق ۔

مولانا سمیع الحق | میں جناب اتنا عرض کروں گا کہ اقبال صاحب کا اگر استحقاق اس مسئلہ سے مجروح نہیں ہوتا تو

پھر واقعی ان کا یہ دل گردہ ہے۔ پوری قوم کے بارے میں منشیات، ہیروئن اور سمگلنگ میں ملوث ہونے کے متعلق دنیا میں یہ تصویر سامنے آئے اور پارلیمنٹ کو اس چیز کا احساس بھی نہ ہوا اور اس چیز کا نوٹس ہی نہ لے۔

ہمارے ملک کی مقدس عدلیہ دنیا بھر میں رسوا ہو جائے تو بحیثیت ایک وکیل اور وزیر کے ان کو تو اس چیز کا زیادہ احساس ہونا چاہئے تھا۔ میرا اگر استحقاق مجروح ہوا ہے یا نہیں مگر ان کا یقیناً ہوا ہے۔ ان کو اس کا نوٹس لینا چاہئے۔ میں ان کے استحقاق کے لئے لڑ رہا ہوں۔ عدالت کے استحقاق کے لئے لڑ رہا ہوں۔

مولانا سمیع الحق | راجہ صاحب کو آپ کم از کم جواب دینے کا موقعہ دیجئے یہ ہیروئن کا مسئلہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پورے ممبران دل سے اس چیز کو محسوس کرتے ہیں کہ جب پورے پاکستان کی بے عزتی ہو اس کا وقار جب مجروح ہو تو پارلیمنٹ کا بھی لازماً وقار مجروح ہو جاتا ہے جب جج یہ کام کر سکتا ہے تو کل کو پارلیمنٹ کے ممبران کو بھی باہر کے ممالک کے لوگ ایسا ہی سمجھیں گے۔

جناب اقبال احمد خان | وہ باہر پکڑا گیا ہے۔

مولانا سمیع الحق | اگر وہ باہر پکڑا گیا ہے تو پھر میرا سوال یہ ہے کہ یہاں سے، ائیرپورٹ سے، ہیروئن جہاز میں کیسے پہنچی۔

مندرجہ بالا تقاریر کی کتابت ہو چکی تھی کہ شریعت بل کے سلسلہ میں حکومت کے معاندانہ اور مخالفانہ رویہ کے پیش نظر سینٹ کے بجٹ سیشن سے بائیکاٹ کرتے ہوئے ۲۷ رجولائی کو مولانا سمیع الحق مدظلہ نے جو خطاب فرمایا تھا اس کا بھی کچھ حصہ سینٹ سکریٹریٹ کی رپورٹ سے حاصل ہو گیا افادۂ عام کے پیش نظر اسے بھی ذیل میں شریک اشاعت کر دیا گیا ہے۔

مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین چونکہ میں بھی شریعت بل کا ایک محرک ہوں تو میں بھی اپنے جذبات کا اظہار ایک دو منٹ میں ضروری سمجھتا ہوں۔

جناب چیئرمین | شریعت بل کا یہاں پر ذکر نہیں ہے۔

مولانا سمیع الحق | شریعت بل کے سلسلے میں اس سیشن سے بائیکاٹ کا سلسلہ چل رہا ہے۔ میں اسی موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

جناب وسیم سجاد | شریعت بل کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ بائیکاٹ ایک غیر اسلامی رویہ ہے۔ اور بائیکاٹ کو ٹرانسلیٹ (ترجمہ) کرنے میں ان کے پاس کوئی لفظ بھی نہیں کوئی عربی کا لفظ لے آئیں۔ بائیکاٹ عین غیر اسلامی چیز ہے۔

مولانا سمیع الحق: میرے نزدیک اصل چیز تو جہاد ہے کہ تلوار لے کر منافقین کی گردن کاٹ دو۔

مولانا سمیع الحق: جناب والا۔ میں پوائنٹ آف آرڈر پر تھا۔ جناب وزیر داخلہ نے مداخلت کی۔ آپ مجھے بولنے کا حق ہی نہیں دیتے۔ میں نے بات شروع کی تھی۔ انہوں نے کہا یہ غیر شرعی ہے۔ پھر آپ نے اور سب حضرات کو موقع دیا اور میں اب اپنا اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں۔

جناب چیئرمین: آپ نے بھی یہی کہا کہ شریعت کے ....

مولانا سمیع الحق: ہاں میں نے کہنا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک کہہ دے تو میں اس پر اکتفا کر لوں۔ میں اپنی قبر میں جا کر سوؤں گا۔ میں اپنی بہت بڑی پارٹی کا ترجمان ہوں۔ نمائندہ ہوں جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے مجھے بھی اپنے جذبات ظاہر کرنے دیں۔ میں اتنا عرض کروں گا۔ جناب والا کہ وزیر عدل صاحب نے بار بار کہا ہے کہ ہم شریعت بل کے مخالف ہیں آج انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ شریعت بل شریعت نہیں ہے۔ تو انہوں نے آج تک شریعت کا کوئی واضح ثبت، کوئی چیز سامنے کیوں نہیں رکھی وہ مسلسل ایک ایسی شریعت کی تلاش میں ہیں کہ جس سے اللہ بھی راضی ہوں اور لات و منات بھی راضی ہو۔

جناب چیئرمین: یہ سب باتیں جب شریعت بل سامنے ہو اس کے ضمن میں آپ کہہ سکتے ہیں اور پہلے بھی آپ کہہ چکے ہیں۔

مولانا سمیع الحق: ابھی ضمناً انہوں نے کہا ہے کہ شریعت بل شریعت نہیں ہے تو پھر وہ کوئی ایسی چیز ہمارے سامنے رکھ دیتے کہ کوئی چیز تو دیکھ لیتے۔ اس میں کوئی مثبت تجویز یا ٹھوس کوئی پیش رفت ہوتی تو ہم سمجھتے۔ اب کیسی شریعت کی تلاش میں ہیں کہ اکبر کا دین الٰہی وہ دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے ہندو بھی، مسلمان بھی، سکھ بھی، شرابی بھی۔ زانی بھی، اسمگلر بھی، چور بھی اس سے خوش ہوں اور پھر ان کی لوٹ کھسوٹ پر بھی زد نہ پڑے اور یہ اپنے اللے تللے بھی پورے کر سکیں اور مفاد پرست طبقے بھی جاری رہ سکیں تو ایسا شریعت بل قیامت کے دن تک ایوان میں نہیں کر سکتے اب اگر وہ شریعت بل کو شریعت نہیں سمجھتے تو میں اتنی مودبانہ درخواست کروں گا کہ خدارا وہ اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کر کے اس کو مسترد کیوں نہیں کر دیتے قوم کو گومگو کی کیفیت میں رکھا ہوا ہے اگر یہ شریعت بل شریعت نہیں ہے تو ہم اتنی گزارش کریں گے کہ آپ منظور نہیں کر سکتے آپ اگر یہ سمجھتے ہیں تو آپ ایمانی جرأت اور اخلاقی جرأت سے اسے فوراً مسترد کر دیں آپ اسے کیوں لیت و لعل سے ٹال رہے ہیں آپ کے بہروپیہ وزیر اور مشیر مسلسل اخبارات میں لوگوں کو مژدے سناتے ہیں کہ ہمارے مذاکرات جاری ہیں کسی کے ساتھ نہ آپ کے مذاکرات جاری ہیں نہ کسی سے رابطہ ہے۔ تو میں یہ اپیل بھی کر رہا ہوں تو آپ بڑی آسانی سے اس کو مسترد کر دیں کہ آپ کی جان اس بلا سے چھوٹ جائے تو یہ پھندا جو آپ کے گلے میں پھنسا ہوا ہے اس سے آپ بھی آرام سے رہ سکیں اور اس سے ہم بھی۔ ہم بہرحال اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اس سیشن سے اس شریعت بل کے سلسلے میں بائیکاٹ کرتے ہیں ٭

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ

ضبط و ترتیب :۔ مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہلِ حق

سلسلۂ سند کی اہمیت ۱۵ اگست ۔ دینی مدارس کے طلبہ اور دورۂ حدیث کے شرکاء کو اسباق میں ہمہ تن متوجہ اور مشغول رکھنے کے عنوان سے گفتگو ہو رہی تھی کہ ارشاد فرمایا :۔

آج بدنصیبی ہے کہ بعض طلبہ کہتے ہیں کہ چلیئے ! اساتذہ کرام فلاں مقام پر تحقیق نہیں کریں گے بحث نہیں ہوگی ویسے عبارت پڑھی جائے گی محض سرد الحدیث ہوگا تو کمروں میں آرام کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ بات غلط ہے جو حدیث درس میں استاد سے نہیں سنی تو اس حدیث کی سند متصل نہیں ہوئی اور سلسلہ سند گویا کٹ گیا یہ بہت بڑی بے برکتی اور غلط خیال ہے جو بعض نادان اختیار کر لیتے ہیں۔

مرکزیت کعبہ درس ترمذی کے بعض افادات کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عربی کا مشہور مقولہ ہے شرافۃ المکان بالمکین دنیا میں امکنہ تو کثیر ہیں مگر مکۃ المکرمہ سب سے زیادہ شریف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں بیت اللہ ہے جو خداوند عالم کے انوار و تجلیات کی فرودگاہ اور مہبط ہے اللہ کی ذات زمان و مکان کی قیود سے منزہ ہے۔ لیکن بیت اللہ پر اس کی تجلیات کا نزول ایک مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ جب آئینہ کو سورج کے سامنے رکھا جائے تو آئینہ اس کی شعاعوں کا عکس لیتا ہے اور دوسری جگہ پر روشنی منتقل کرتا ہے۔ اللہ رب العزت کی تجلیات بھی بیت اللہ پر ایسے ہی متوجہ رہتی ہیں۔ دنیا کے بہت سے امکنہ شریف ہیں اور ہر ایک کی شرافت کی اپنی اپنی وجہ ہو سکتی ہے۔ لیکن مکۃ المکرمہ بوجہ بیت اللہ کے اور بیت اللہ بوجہ تجلیات ربانی کے شریف ہے۔ روئے زمین پر سب سے پہلے خانہ کعبہ بنایا گیا۔ اول بیتٍ وضع للناس اور ایک حدیث کا مضمون ہے کہ جب تک بیت اللہ قائم ہے دنیا بھی قائم رہے گی۔ قیامت سے قبل خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے گا۔ تو قیامت بھی واقع ہو جائے گی۔ اور سارا عالم فنا ہو جائے گا۔ گویا کعبۃ اللہ کا وجود بقائے عالم کا ذریعہ ہے اور اس کا گرنا فنائے عالم کی نشانی ہے۔ جب اللہ پاک نے دنیا کے ویرانے کو آباد کرنا چاہا تو کعبۃ اللہ کی صورت میں اپنا شاہی خیمہ بھی گاڑ دیا۔ جب تک شاہی خیمہ موجود رہتا ہے۔ فوج بھی سکونت پذیر رہتی ہے۔ جب شاہی خیمہ

اٹھا دیا جاتا ہے تو فوج منتشر ہو جاتی ہے۔ تو جب اللہ رب العزت اس عالم کو فنا کرنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اول اپنی تجلیات کا خیمہ (ربیت اللہ) کو اٹھا دیں گے تو سارا عالم فنا ہو جائے گا۔

کیا حضرت ابوہریرہؓ غیر فقیہہ تھے | حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی کے بعض مسودات احقر سے سنے حضرت ابوہریرہؓ کا تذکرہ ہوا تو ارشاد فرمایا۔

صاحب منار نے حضرت ابوہریرہؓ کو حدیث مصراۃ کی بحث میں غیر فقیہہ قرار دے کر یہ کہا ہے کہ غیر فقیہہ کی روایت کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح حاصل ہے۔ اصل میں یہ غلطی بزدوی نے کی تھی۔ بعض اوقات بڑے آدمی کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اور پھر بزدوی سے اصول فقہ کی کتب میں اس کی نقل در نقل ہوتی رہی۔

اصلاً مسئلہ یہ ہے کہ جس روایت کا راوی غیر فقیہہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترجیح حاصل ہے۔ یہ اصول اپنی جگہ صحیح ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں لیکن مسئلہ کی وضاحت میں جو مثال پیش کی گئی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ غیر فقیہہ ہیں یہ مثال درست نہیں۔ حضرت ابوہریرہ کے بارے میں غیر فقیہہ ہونے کا نظریہ نہ تو امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے اور نہ ہی ان کے تلامذہ میں سے کسی کا یہ نظریہ ہے اور نہ ہی ائمہ اربعہ سے یہ منقول ہے۔ یہ بزدوی کی اپنی مثال ہے جو کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ بہت بڑے حافظ الحدیث اور عظیم فقیہہ تھے۔ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں فتوای دیا کرتے تھے۔ ان کے مرویات اور فتاوی پر صحابہ کرامؓ عمل کرتے تھے۔ باقی رہا حدیث مصراۃ پر حنفیہ کا ترک عمل تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے راوی حضرت ابوہریرہ غیر فقیہہ ہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کی نص قطعی فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم سے معارض ہے اس لئے قابل عمل نہیں۔

۱۲ اگست۔ حسب معمول عصر کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی مجلس میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی دارالعلوم کے بعض اساتذہ، طلبہ اور افغان مجاہدین کا ہجوم تھا۔ نماز مغرب کا وقت قریب ہوا تو آپ نے وضو کرنے کا تقاضا ظاہر فرمایا۔ وضو سے فارغ ہوئے تو مولانا شوکت علی نے عرض کیا۔ حضرت! گھر میں کام کاج، خیر و برکت وسعت اور اصلاح احوال کے لئے کوئی ایسا وظیفہ مرحمت فرمائیے کہ گھر کی عورتیں بھی چلتے پھرتے آسانی سے اپنا معمول بنا سکیں۔

تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔

قل ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

یہ نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھ لیا جائے علاوہ ازیں جو آپ نے اہلیہ کے لئے کام کاج میں اللہ کی مدد اور برکت اور تھکان (کے ازالے) کا کہا ہے تو ایسا ہی سوال ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ ہوا یوں تھا

کہ حضرت فاطمہؓ کو معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈیاں آگئی ہیں تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ گھر کا سارا کام کاج میرے سر ہے۔ جھاڑو دیتی ہوں صفائی کا کام کرتی ہوں اور گھر یلو امور اتنے زیادہ ہیں کہ تھک جاتی ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؐ کے پاس لونڈیاں آئی ہیں کیا ہی بہتر ہو تا کہ ایک لونڈی مجھے مرحمت فرما دیتے تو وہ میرے ساتھ گھر کے کام میں ہاتھ بٹاتی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ تو لونڈی چاہتی ہیں مگر اس سے بھی بہتر اور نافع چیز آپ کو دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ

شام کو سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر سو جایا کریں تمام دن کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی۔ کام میں برکت رہے گی۔ خدا کی مدد شامل حال ہو گی۔ حضرت فاطمہ اس عطیہ سے بڑی خوش ہوئیں اور فرمایا مجھے لونڈی سے یہ عمل ہزار درجے بہتر اور پسندیدہ ہے۔ یہی وہ تسبیحات فاطمی ہیں جن کو مسلمان ہر نماز کے بعد پڑھتے ہیں۔ اور خود میں نے بھی اپنی زندگی میں ان کو معمول بنایا۔ ایک زمانہ تھا جب مجھے دارالعلوم کے اہتمام اور انتظام کے ساتھ ساتھ پچیس پچیس کتابیں بھی پڑھانا پڑتی تھیں۔ دیوبند کے زمانہ تدریس سے قبل ہی قاضی، صدرا شمس بازغہ، امور عامہ، مشکوٰۃ اور جلالین وغیرہ کتابیں مگر خدا کے فضل سے تسبیحات فاطمی معمول بنالیا تھا۔ تو تعب اور محنت و مشقت کی تھکان ختم ہو جاتی۔ طبیعت میں نشاط اور سرور رہتا اور خدا کے فضل سے ہر کام کے لئے ایسا معلوم ہوتا گویا ابھی تازہ دم ہو کر اس کے لئے اٹھا ہوں۔

حاضرین سے فرمایا کہ آپ سب اس عمل کو اختیار کریں یہ پیغمبری نسخہ ہے آسان ہے مگر قدر و قیمت اور برکت و سعادت کے لحاظ سے بہت قیمتی اور وزنی ہے۔ باری تعالیٰ سب کے لئے آسان فرما دے۔

سنت کا تحفظ مسلمانوں کی غیرت کا مسئلہ ہے

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا۔ اپنے محسن اور مقتدا کے طور طریقوں کو اپنانا صرف شرعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ غیرت کا تقاضہ بھی ہے۔ چین کا وزیر اعظم یہاں آیا۔ راستہ میں کہیں چین کا ایک کاغذی جھنڈا پڑا تھا۔ اٹھایا، چوما اور سکرٹری کو دے دیا۔ کہ اسے سنبھالو۔ وہ اپنے ملک کا جھنڈا زمین پر پڑا برداشت نہ کر سکا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب داڑھی میں کیا رکھا ہے۔ مگر اسے تو کسی نے نہیں کہا کہ یہ تنگ نظری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

" لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین "

" تم میں سے کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنے باپ بیٹے اور ساری مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں "

الفقر فخری ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اتباع سنت اور حضورؐ کی تعلیم کی

کی برکت تھی۔ کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے بعض عمال عمر بھر حکومت کے دوران بھی جَو کی روٹی کھاتے رہے۔ کہ جب تک یقین نہ ہو جائے کہ رعایا کے ہر فرد کو گیہوں کی روٹی ملتی ہے۔ جَو کی روٹی ہی کھائیں گے۔ یہ عمرؓ فاروق ہیں کہ آج بھی تقریباً ۵، ہزار مربع میل زمین ان کی برکت سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال رہا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی وصال کی ساعت کے وقت گھر میں روشنی کے لئے تیل کسی پڑوس سے مانگا گیا۔ گیہوں کا آٹا کسی سے مستعار لیا گیا۔ کہ حضورؐ شاید اس دن ایک نوالہ کھا سکیں۔ زرہ مبارک وصال کے وقت ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جَو کے بدلے گروی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو الفقر فخری کا سبق پڑھایا۔

قول و عمل میں تضاد اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

میرے خیال میں اگر یہ دیکھیں تو ہمارے قول اور عمل میں بہت بڑا تضاد اور منافات نظر آجائے گی کچھ بھی نہیں رہے گا۔ بہت کم مسلمان رہ جائیں گے۔ گویا اسلام کتابوں میں ہے اور مسلمان قبروں میں ہیں۔ کہ جو مر گئے۔ اسلام اور ایمان میں بہتر تھے۔ یا پھر قرآن مجید ہے جو طاقچوں میں گرد و غبار سے اٹا پڑا رہتا ہے اور مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور جو مسلمان تھے وہ گذر گئے شہید ہو گئے ہمارے آباؤ اجداد۔

عرض یہ کرنا تھا کہ دعوٰی کے لحاظ سے تو ہم ۸۰ کروڑ مسلمان ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو اپنی برائیوں پر نظر کرتے ہیں۔ مجالس میں دین کے ساتھ، اسلام کے ساتھ ہنستے رہتے ہیں۔ دین کی بات کرنے والوں سے نفرت ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ مولوی لوگ اولڈ فیشن والے یہ دقیانوسی لوگ کیا کرتے ہیں۔ یہ کیا جنگلی ہیں کہ چودہ سو سال پرانی باتیں کرتے ہیں۔ اسلام کی باتوں کو جنگلیوں کی باتیں کہیں تو کہئے کہ ایمان اور اسلام کا کیا رہ جاتا ہے۔ پھر یہ کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور عاشق کہلاتے ہیں۔

ایک صحابی نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ صلعم مجھے تو آپ سے محبت ہے۔ آج بھی لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو عشاق رسول ہیں۔ الگ الگ ٹولیاں، جماعتیں، پارٹیاں، عشاق کی بنی ہوئی ہیں۔ ایک ایک محلہ اور گلی ہیں —— مگر دین کا ایک بھی نشان نظر نہیں آتا۔ مگر ہیں غلامانِ مصطفٰےؐ۔

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا کہ سوچ کر کہہ رہے یا ویسے ہی دعوٰی کرتے ہو۔ تو جیسا کہ پانی نشیب کی طرف تیزی سے بہتا ہے اسی طرح میرے عشاق کی طرف فقر و فاقہ بھاگتا ہے۔ تو وہ دنیا و مافیہا اپنے لئے نہیں بلکہ خلقِ خدا کی بہبود کے لئے سمجھتا ہے۔ وہ پھر سرمایہ دار نہیں بنتا۔ وہ زکوٰۃ، صدقات، فکِ رقبہ اور دوسری مشکلوں میں خرچ کرتا ہے جو میرا عاشق ہے وہ خود ننگا رہ کر دوسروں کو ڈھانپے گا۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلائے گا۔ اپنے نفس کی خواہشات کی قربانی دے گا ؏

داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ملّت کا تحفظ، تحریک نفاذِ شریعت اور غلبۂ اسلام

لائحہ عمل، اور قومی و ملّی منشور

> درج ذیل مقالہ داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا حیدرآباد کی دینی تعلیمی اور دعوتی کانفرنس منعقدہ ۱۷؍ مارچ ۸۷ء کا افتتاحی خطبہ ہے جس سے اہل ھند کی طرح مسلمانان عالم کے لئے بھی غور و فکر کی منزل اور سمت سفر متعین کرنے میں فکر و عمل کے نشان راہ واضح ہو جاتے ہیں یہ مقالہ مفکرین و قائدین ملت قومی کارکنوں اور عام مسلمانوں کے مطالعہ غور و فکر کیلئے ایک ملّی منشور اور میثاق کی حیثیت رکھتا ہے خدا کرے کہ یہاں کے ارباب حل و عقد بھی اس سے پوری طرح مستفید ہو سکیں (ادارہ)

حضرات! میں آپ کی عزت افزائی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اس اہم اجلاس کے افتتاح کے لئے میرا انتخاب فرمایا۔ ایک حقیقت پسند انسان کے لئے جو اپنی حقیقت سے ناآشنا اور کسی فریب نفس میں مبتلا نہیں ہے۔ ان مواقع کی قدر و قیمت صرف اتنی ہی ہے کہ ان کے ذریعہ اس کو اپنے دل کی بات کہنے اور اپنے مطالعہ و تجربات کے نتائج کے اظہار کا ایک ایسی فضا میں موقعہ ملتا ہے جس میں اس کی بات صبر و سکون اور اکثر اوقات ذوق و اشتیاق کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ مجھے امید کرنی چاہئے کہ یہ پیشکش آپ کی طرف سے کوئی رسمی اعزاز نہیں ہے۔ بلکہ ایک اعتماد کا اظہار ہے ہر چیز کی ابتداء بڑی نازک اور اہم ہوتی ہے۔ اور اس کا اثر اس کے پورے سلسلہ پر پڑتا ہے خدا مجھے اس اعتماد و ذمہ داری کا اہل ثابت فرمائے۔

بزرگو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور آپ کے لئے جس ماحول اور جن حالات کا انتخاب فرمایا ہے اور اپنے علم و حکمت اور اپنے ارادہ و اختیار کی بنیاد پر انتخاب فرمایا ہے وہ بہت اہم اور بہت نازک ہے۔ واقعہ

تو یہ ہے کہ یہ ماحول، یہ حالات، یہ سرزمین اور یہ عہد تو کسی بڑے مجدد کا طالب تھا۔ میں تاریخ اصلاح و تجدید کے نہ صرف طالب علم بلکہ ایک حقیر مصنف کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ جو عہد اور جو ماحول ہم کو آپ کو ملا ہے جن مسائل سے ہمارا آپ کا واسطہ ہے جن خطرات، جن اندیشوں اور جن چیلنجوں کا ہمیں سامنا کرنا ہے اور راس ہانہ کے جن خفی لیکن بے رحم اشاروں کو سمجھنا ہے۔ وہ کسی بڑے مجدد کے کسی صاحب عزیمت، صاحب حکمت اور موید من اللہ کے طالب ہیں اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ دور حضرت مجدد الف ثانی کے شایان شان تھا حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کی مجتہدانہ قابلیت اور مجددانہ عزیمت کے شایان شان تھا۔ یا شہیدین جلیلین۔ حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی حمیت و عزیمت اور بلند نظری و بلند حوصلگی کے شایان شان تھا لیکن یہ دور، یہ مسائل اور یہ مشکلات ہمارے لئے منتخب کئے گئے۔ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔

لیکن ایک اچھے محنتی طالب علم کو اگر امتحان میں کوئی مشکل پرچہ ملے تو اگر اس نے محنت کی ہے اس میں صلاحیت ہے اور اس نے اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق تیاری کی ہے تو اس کی نشان یہ ہے کہ اس پر شکوہ نہ کرے بلکہ شکر ادا کرے کہ وہ اس پرچہ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔ "وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ" وہ جو کچھ فیصلہ کرتا ہے وہ اس کی قدرت کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کا بھی۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ اس کی رحمت کا بھی مظہر ہوتا ہے تو بعید نہیں۔ اس کے اس فیصلہ میں (کہ اس نے ہم ناتوانوں کو ایسے عہد اور ایسی سرزمین کے لئے انتخاب کیا) اس کی قدرت کا ظہور بھی ہے اس کی حکمت کا بھی ہے۔ اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس کی رحمت کا بھی ظہور ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آخر زمانہ ایسا ہوگا کہ تم جو کر رہے ہو اس کا عشر عشیر بھی اگر کوئی انجام دے گا تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

واقعہ یہ ہے۔ کہ اگر ہم اس عہد سعادت میں ہوتے اور اس زمانہ میں کوئی عمل کرتے تو اس عمل کی اس زمانہ میں کوئی بڑی اہمیت اور نمایاں حیثیت نہ ہوتی۔ قیمتیں اپنے حالات اور اپنے ماحول کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی ہیں۔ بے موسم کا پھل بڑی قیمت میں بکتا ہے لیکن موسم کا پھل کوڑیوں کے مول بکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی بڑے حملہ کے موقعہ پہ دفاع کرنے والوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں اور جب سارے شکست آشنا ہوں اس وقت کوئی کمزور سپاہی، کوئی سن رسیدہ، کوئی بیمار مسلمان قدم جمائے کھڑا رہے تو اس کو جو اجر ملے گا غلبہ و فتح کے وقت بڑے شہسوار اور شہ زور کو نہیں ملے گا تو کیا عجب کہ اللہ نے ہماری کمزوری، ہماری بے بضاعتی کے باوجود ہم کو جو ایسے پُر آشوب دور کے لئے منتخب فرمایا یہ اس کی رحمت کا کرشمہ ہو اس نے ہمیں ایک ایسا زمانہ دیا ہے کہ اس کے اندر تھوڑا کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت شمار ہوگا۔

حضرات! جہاں تک کسی ملک میں مسلمانوں کے رہنے، وہاں ان کی حیثیت اور ان کے فرائض منصبی کا سوال ہے تو تاریخ اسلام کے طویل سلسلہ اور فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں اس کے دو نمونے ملتے ہیں۔ پہلا نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حاکمانہ حیثیت میں ہوں اور وہ ملک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار ہو جیسا کہ خلافت راشدہ کے بعد رومی و ایرانی شہنشاہیاں اور ان کے ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں آئے۔ اور مسلمان جزیرۃ العرب سے لے کر مراکش تک پھیل گئے۔ انہوں نے افریقہ کی پوری شمال مغربی پٹی فتح کر لی۔ اور اس سے آگے سمندر کو عبور کر کے یورپ کے اسپین پر قابض ہو گئے۔ اس حیثیت کے متعلق صریح احکام ہیں۔ قرآن مجید کے اشارات ہیں۔ ہدایات ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا طرز عمل ہے اور عقیل سلیم کا فیصلہ ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر مسلمانوں کا منصب کیا ہے۔ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ ان کے داعیوں و مصلحین کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے علما، فقہا اور مقننین کو مسائل کس ڈھنگ سے سلجھانے چاہئیں؛ اور ان کے مصنفین و مؤلفین و مفکرین کا طرز عمل اور طرز فکر اور اسلوب کیا ہونا چاہیئے۔ یہ بات واضح ہے اور اس کے لئے پورا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مسلمان کسی جگہ مختصر و محدود اقلیت میں ہوں۔ وہ اس ملک کے حالات پر مطلقاً اثر انداز نہ ہو سکتے ہوں۔ ان کا ملک کے نظم و نسق میں کوئی حصہ نہ ہو وہ خالص محکومانہ زندگی گزار رہے ہوں اس کے لئے بھی کتابوں میں فقہ و شریعت کے احکام موجود ہیں۔

لیکن ہندوستان میں ہماری نوعیت اس وقت دونوں سے مختلف ہے اور وہ بڑی فکر انگیز، اجتہاد طلب، اعلیٰ ذہانت، حقیقت پسندی اور سخت جد و جہد کی طالب ہے اور اس سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ یہاں ہم اقلیت میں تو ضرور ہیں لیکن وہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اکثریت کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے۔ اور اس کو اقلیت کہنا بھی صحیح نہیں۔ بلکہ اس کو "ملّت" کہنا چاہیئے۔ ہم یہاں کم سے کم پندرہ کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ بہت سی خالص اسلامی سلطنتوں میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہیں ہیں۔ کوئی اسلامی ملک ۳۰ لاکھ کا ہے کوئی ۴۰، ۵۰ لاکھ کا ہے۔ کوئی دو کروڑ ہے۔ کوئی ۴، ۵ کروڑ تک کا ہے۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے وہ بھی تیرہ ساڑھے تیرہ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے لیکن ہم یہاں پندرہ کروڑ یا اس سے بھی زائد ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ملک جمہوری ہے اس ملک کی سیاست میں ہمارا حصہ ہے اس ملک کی قانون سازی میں ہمارا حصہ ہے۔ ہمارے لئے یہاں پورا موقعہ ہے۔ کہ ہم ملک کے انتظامیہ کو نہ صرف یہ کہ متاثر کریں بلکہ اس کو نئی شکل دینے اور ملک کو بہتر سے بہتر انتظامیہ مہیا کرنے میں ممد و معاون بلکہ بعض اوقات فیصلہ کن ثابت ہوں۔ ہم پاسنگ کا بھی کام کر سکتے ہیں اور اس ملک میں قانون سازی ہم کو نظر انداز کر کے نہیں سکتی۔ اگر مسلمان اپنے شہری حقوق کا صحیح جرأت مندانہ و آزادانہ استعمال کریں تو ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ) اور حکومت کرنے والی پارٹی کسی طرح

مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ وہ مسلمانوں سے مستغنی نہیں رہ سکتی۔ اور مسلمان چاہیں تو اس پر انقلاب انگیز اثر ڈال سکتے ہیں اور اس کی ہیئت کذائی بدل سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس ملک میں ہم تنہا وہ "ملت" ہیں جو خدا کا واضح پیغام رکھتی ہے جو آخری آسمانی محفوظ کتاب کی حامل ہے۔ سیرت نبوی کی دولت اس کے پاس ہے۔ نوع انسانی کے لئے رحمت و ہدایت کا عظیم سرمایہ، اسوۂ نبوی، حیات صحابہؓ اور مثالی و معیاری انسانوں کے کردار و عمل کا عظیم ذخیرہ (ریکارڈ) موجود و محفوظ ہے۔ وہ اس سیرت و طرز زندگی کا عملی مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اور بھٹکتی ہوئی انسانیت کی ہدایت کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ یہ وہ ملت ہے جس کے پاس ہر عہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرہ۔ کسی بجھتے ہوئے چراغ کو کسی برباد ہوئے ملک کو۔ کسی روبہ زوال نہیں بلکہ جاں بہ لب ملک یا معاشرہ کو بچا لینے والا پیغام رہا ہے اس نے پہلی اور دوسری صدی ہجری (ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی) میں رومی، ایرانی اور وسط ایشیا کے برسر اقتدار ترکستانی معاشرہ کو (جو زیادہ دنوں تک باقی رہنے اور قیادت کرنے کی صلاحیت کھو چکا تھا۔ اور جس کی ظاہری چمک دمک اور فربہی صحت و توانائی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ وہ ایک غیر طبعی فربہی متورم جسم کی علامت تھی۔) اور ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں نیم وحشی اور خون آشام چینی و ترکی نسل کی تاتاری قوم ایک نیا دین و عقیدہ، مقصد زندگی، روحانیت، ترقی یافتہ تہذیب و ثقافت، جامع و مکمل معاشرتی، تمدنی و انتظامی قانون اور نو بہ نو علوم و آداب دے کر ایک نئی زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر دی۔ اور انہی کی ایک شاخ عثمانی ترکوں کو جنہوں نے ساتویں صدی ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اور اسلام لاتے ہی ان میں بیداری، نئی زندگی اور حوصلہ مندی پیدا ہوئی۔ ایشیائے کوچک اور یورپ میں ایک بڑی سلطنت (سلطنت عثمانیہ) کا بانی بنا دیا۔ جس نے کچھ عرصہ کے بعد خلافت اسلامی کی ذمہ داری بھی سنبھال لی۔ اور حرمین شریفین و مقامات مقدسہ کی محافظ و پاسبان اور شوکت و عظمت اسلامی کا نشان بن گئی۔

یہ وہ ملت ہے جو ڈوبتے ہوئے سفینہ کو ساحل تک پہنچا سکتی ہے۔ اور کسی گرتے ہوئے معاشرہ کو جو زمین میں بالکل دھنس رہا اور دلدل میں پھنس رہا ہے اور جو خودکشی و خود سوزی پر آمادہ ہے بچا سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس وہ کتاب الٰہی ہے اس کے پاس وہ اسوۂ نبویؐ ہے۔ اس کے پاس وہ ایمان موجود ہے جو اس کو خالص دولت پرست، طاقت پرست، اقتدار پرست اور مادہ پرست بننے سے روکتا ہے یہ تنہا وہ ملت ہے جس کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا یقین ہے اس پر غفلت کے چاہے کیسے اور کتنے ہی دبیز پردے پڑیں۔ اس پر خود فراموشی کے کتنے شدید دورے پڑیں۔ اس کے دلوں کے اندر اس بات کا شعور باقی ہے کہ اس کو خدا کے سامنے جانا ہے۔ اللہ کے رسولؐ کو منہ دکھانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب کتاب پیش کرنا ہے وہاں نہ عز

کام آئے گی۔ نہ دولت نہ طاقت کام آئے گا۔ احساس فرض، سچی عبودیت اور بے لوث خدمت خلق کام آئے گی اور ایمان اور عمل صالح کام آئے گا۔

میرے محدود مطالعہ میں اس ملت کی حیات اور اس کے طویل سفر اور تجربوں میں یہ بالکل انوکھی مثال ہے کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں، ہم عظیم ترین اقلیت میں ہیں۔ یہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اگر وہ اپنی امتیازی صلاحیت کا ثبوت دے۔ اکثریت سے زیادہ محنت سے کام کرے اور اپنی اہلیت و افادیت، اپنے خلوص و صداقت کا مظاہرہ کرے تو وہ قیادت کا مقام بھی حاصل کر سکتی ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو کم از کم ملک کا رخ تبدیل کر سکتی ہے اور صاحب اقتدار جماعت کو اپنی ضرورت و افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس میں حقیقی زندگی کی وہ رمق باقی ہے (میں اس کو زندگی کی رمق ہی کہوں گا) جو دنیا کی اکثر ملتیں کھو چکی ہیں روحانی حیثیت سے، ایمانی حیثیت سے، اور احتساب نفس کے لحاظ سے وہ ملتیں، اس آخری اخلاقی شعور اور ضمیر کی زندگی و بیداری سے محروم ہو چکی ہیں۔ جس کو زندگی کی رمق کہا جانا چاہئے۔ یہ ملت اپنی ساری کمزوریوں کے ساتھ اس رمق کی محافظ ہے۔

ایسی حالت میں اس ملت کے علماء کی علوم دینیہ کے اہل نظر و اہل فکر ماہرین کی ملت کے بے لوث و بالغ نظر قائدین کی، اس ملک اس عہد اور اس ماحول میں ذمہ داری اتنی عظیم اور عظیم ہونے کے ساتھ اتنی نازک اور اتنی پیچیدہ ہے کہ اس کا تصور اس سے پہلے کسی ملک میں کرنا مشکل تھا۔ پندرہ کروڑ کی تعداد میں مسلمان ایک ایسے ملک میں موجود ہیں۔ جو لرزہ خیز مصائب اور ہوشربا مسائل سے دو چار ہے۔ جہاں عرصہ سے انسان سازی کا۔ اخلاق و کردار کے بنانے اور ان کو توانائی بخشنے کا، دولت کی کشش اور مادیت کے سحر کا مقابلہ کرنے والی اخلاقی و روحانی طاقت پیدا کرنے کا کارخانہ بند ہو چکا ہے۔ اس کے جو بھی اسباب ہوں (ان اسباب کی اس مختصر مقالہ میں تشریح نہیں ہو سکتی) یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کا معاشرہ ایک اخلاقی بحران میں مبتلا ہے۔ جس کے آثار و نشانات قومی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔

ایسی حالت ایک ملت یہاں رہتی ہے جو ۱۵ کروڑ کی تعداد میں بتائی جاتی ہے وہ اپنے پاس اللہ کی کتاب صحیفۂ آسمانی رکھتی ہے۔ سنت نبوی مدون اور محفوظ طریقہ پر اس کے پاس ہے۔ فقہ اسلامی کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو زندگی کے تمام احکام (عبادات سے لے کر معاملات و سیاست، تمدن و اخلاق و اجتماع کے آداب تک) پر مشتمل ہے۔ جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ فقہ کا جتنا بڑا کام اعمال اور انسانی زندگی کے تنوعات کا ثواب و عذاب کے عقیدہ اور ایمان سے اور انسانی حرکات و اعمال کا۔ حلال و حرام، جائز و ناجائز کے تصور سے جو ربط ہے اس ربط کی تفسیر و تشریح کرنے کے سلسلہ میں جو محنت اسلام کی تاریخ میں ہوئی ہے اس کی کوئی مثال مجھے معلوم نہیں اور اس

کی کوئی نظیر گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرات! ہم ایک ایسے ملک میں ہیں جہاں اگرچہ ہم اصطلاحی طور پر اقلیت میں ہیں لیکن حقیقت میں پوری قوم ہیں پوری ملت ہیں۔ اس کے ساتھ ایک تاریخ ہے۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس تک اس نے حکومت کی ہے۔ اس ملک کو بنایا ہے، سنوارا ہے۔ ملک کا نام دنیا میں روشن کیا ہے۔ اس نے ملک کو وہ چیز دی جس سے وہ عرصہ سے محروم ہو چکا تھا۔ اس میں پہلی مرتبہ سیاسی وانتظامی وحدت پیدا کی۔ اس کو مساوات واخوتِ انسانی کا پیغام دیا اور ہندوستان کو جو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا ایک طویل ووسیع، مضبوط ومستحکم توانا وصحت مند انتظامیہ اور وسیع مرکزی حکومت عطا کی۔

اس کے بعد سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم آخری امت ہیں۔ ہم حاملِ قرآن ہیں ہم داعی الی اللہ ہیں۔ ہم محتسب کائنات ہیں۔ اقبال نے ابلیس کی زبان سے یہ حقیقت ادا کرائی ہے۔ اس کے سامنے اس کی مجلس شوریٰ میں مختلف قوموں کے بارہ میں کہا گیا اور مختلف خطروں کی نشان دہی کی گئی۔ اس کی مجلس کے ارکان نے کہا ہمارے نظام اور کام کو اشتراکیت سے خطرہ ہے۔ جمہوریت سے خطرہ ہے۔ ملوکیت سے خطرہ ہے۔ جمہوریت سے خطرہ ہے کسی نے کہا ہے کہ ؎

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج — کانپتے ہیں کوہسار ومرغزار وجوئے بار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے — جس جہاں کا ہے فقط تیری سیاست پر مدار

ابلیس نے ان تمام خطروں کو کوئی اہمیت نہیں دی اس کے برخلاف اس نے کہا ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں — ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اس نے کہا ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

مسلمان قوم کا یہ امتیاز اور اس ملک کا جمہوری نظام، پھر مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی، یہ ساری باتیں مواقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم یہاں کے نظم ونسق پر اثر انداز ہوں۔ یہاں قانون بنانے میں ہمارا حصہ ہو سکتا ہے پھر اس ملک کے جمہوری ہونے کی وجہ سے اس ملک کی قیادت کا منصب بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے کو اخلاقی طور پر، باطنی طور پر، ذہنی طور پر اور عملی طور پر بھی ممتاز و فائق ثابت کر دیں تو اس ملک کی قیادت کے ہم طالب نہیں ہوں گے ملک کی قیادت خود ہماری طالب ہوگی۔ ہمیں سورج کا چراغ لے کر ڈھونڈے گی۔ یہاں کی خاک کے ذرہ ذرہ، درخت کے پتہ پتہ سے آواز آئے گی کہ اس ملک کو بچانے والے کہاں ہیں۔ آئیں اور اس ملک کو بچائیں۔ آپ کی یہ حیثیت نہیں ہے،

کہ آپ کو کچھ آسانیاں چاہئیں۔ کچھ آسامیاں چاہئیں۔ آپ ملک کے نجات دہندہ ہیں۔ آپ اس ملک کی آخری امید ہیں۔ اس ملک کے باشندوں کو ہم عدل کا پیغام دیں۔ عقل سلیم کا پیغام دیں۔ خدا ترسی اور انسان دوستی کا پیغام دیں اور اس میں اس کا لحاظ رکھیں کہ ہمارا وہ پیغام ہمارے اسلامی عقیدہ اور ایمانی جذبہ کے ساتھ مربوط اور رچا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ذہین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص طرح کی قوت شامہ عطا فرمائی ہے۔ (جو معنویات میں بھی اسی طرح کام کرتی ہے جیسے مادیت (جسمانیات) میں) اس عمومی انسانی دعوت میں ہمارے ایمان کی خوشبو اور مہک پائیں۔ وہ یہ محسوس کریں کہ یہ خود غرضی کا پیغام نہیں۔ نفسیات کا پیغام نہیں۔ اس کے پیچھے سیاسی یا اقتصادی مقاصد نہیں۔ یہ وہ پیغام ہے جس کو ان لوگوں کے ایمان باللہ و تعلیمات اسلامی نے پیدا کیا۔ اور جلا اور طاقت دی ہے اور اس پیغام کا سرچشمہ اور اس کا محرک و داعی ان کا خدا سے (جو رب العالمین ہے) اور خدا کے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے رابطہ ہے۔

اگر ہم یہ کام کر لیں گے تو صرف یہی نہیں کہ ہم اس ملک میں عزت سے رہ سکیں گے بلکہ اس ملک کی قیادت ہم کو تلاش کرے گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل گئے اور ایک ایسے الزام میں گئے جس کے بعد ایسے "اسیر زندان" کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا اور وہ آدمی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن انہوں نے اپنے کردار سے، اپنی عملی صلاحیت سے۔ اپنی معجزانہ ایمانی طاقت سے۔ اپنی انسان دوستی سے جیل کے اندر رہ کر بھی یہ ثابت کر دیا کہ وہ مصر میں تنہا آدمی ہیں جن کے پاس ایمان ہے جن کے پاس کردار کا جوہر ہے جن کے پاس عملی صلاحیت ہے ان دوستی کا جذبہ اور امانت و دیانت ہے۔

بالآخر بادشاہِ مصر ان کو جیل سے بلواتا ہے لیکن وہ خودداری کے ساتھ کہتے ہیں:-

اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ○

اپنے آقا کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے بیشک میرا پروردگار ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

بادشاہ نے پھر تحقیق کی اور مدعیہ نے کہہ دیا

مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ

حاشا للہ۔ ہمیں اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔

اس کی کوئی خطا نہ تھی۔ یہ سب میرا پھیلایا ہوا جال اور میری بنائی ہوئی سازش تھی۔

جب وہ جیل سے نکلے تو بادشاہ نے پیش کش کی کہ آپ کوئی عہدہ قبول کیجئے

انہوں نے کہا۔ اِجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ○

مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔
قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جو حالات کی تفصیل بیان کرے۔ لیکن اس قصہ کے سباق میں ہمیں یہ بات مقدر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے سالہا سال مصر میں گذارے تھے سمجھ گئے کہ اس ملک اور انتظامیہ کا سب سے زیادہ کمزور شعبہ مالیات اور غذا کا شعبہ ہے۔ اور یہ وہ شعبہ ہے جو عوام سے زیادہ سے زیادہ ربط رکھتا ہے جس کے ذریعہ ہر جگہ عوام تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اور ان کی بے لوث خدمت کر کے ان کو ممنون و متاثر اور ان کو صحیح عقائد اور واضح حقائق پر غور کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

اِجْعَلْنِی عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّی حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ہ

حضرات! ساری سیاسی پارٹیوں کی موجودگی ہیں، کالجوں اور یونیورسیٹیوں کی موجودگی میں اور تعلیم کا معیار جو اس وقت ہے اور اس کے جو وسائل اس ملک کو مہیا ہیں۔ ان سب کے باوجود صالح قیادت، عادل قیادت، خداترس قیادت اور انسان دوست قیادت کا منصب خالی ہے۔ آپ اپنی حیثیت پہچانیں، اپنا منصب جانیں اور ملک میں خدمت، ملک میں صالح انقلاب لانے اور ملک کو صحیح رخ پر لگانے اور چلانے کی اپنی صلاحیت کو پہچانیں اور اس سے کام لیں۔

ہم کو ملک وملت دونوں زندہ حقیقتوں میں سے کسی حقیقت سے آنکھیں نہیں بند کرنی چاہئیں۔ البتہ ہماری داعیانہ حیثیت، ہماری بے لوث اور بےخدا اندیش فطرت اور ہمارا وہ فرض منصبی جس کی بنا پر ہم کو "خیر اُمت" کا لقب ملا۔ اس پر غالب رہنا چاہئے۔ اس سود و زیاں کی دنیا میں اس قمار خانۂ سیاست میں ہماری اصول پسندی ہمارا اخلاقی کردار اور ہمارا ایمانی شعار سب پر غالب رہنا چاہئے۔ ہمیں ان سیاسی پارٹیوں کی پست سطح پر کبھی نہیں آنا چاہئے جو دوسروں کی تخریب میں اپنی تعمیر اور دوسروں کی بربادی میں اپنی ترقی کا خواب دیکھتی ہیں۔ اور جن کا منتہائے نظر حکومت کی کرسیوں کے سوا کچھ نہیں۔ ہمیں اس ملک کے بارہ میں بھی اور اس ملت کے بارہ میں بھی اپنا ذہن نبوی و آسمانی تعلیمات کی اساس پر تعمیر کرنا چاہئیے۔

حضرات! اس کے ساتھ ساتھ ہمارا فرض ہے کہ ہم مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ ہماری آئندہ نسلیں ارتداد کے خطرہ میں مبتلا ہیں۔ تہذیبی اور ذہنی ارتداد تو بالکل کھلی سی بات ہے۔ لیکن اعتقادی ارتداد کا خطرہ بھی سر پر آگیا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ قصبات میں، گاؤں میں، شہروں میں محلوں میں، گھروں اور برادریوں میں، بچوں کو دینی تعلیم دینے کا احساس پیدا کریں۔ مدارس اور مساجد قائم کریں اور ان کا جال بچھا دیں۔ میں اس موقعہ پر اپنی ایک گذشتہ تقریر کا اقتباس پیش کروں گا جو میں نے کچھ عرصہ پہلے دینی کونسل کے پلیٹ فارم پر کی تھی:۔

"اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملّت کے لئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تو میں کہوں گا "ما تعبدون من بعدی" لکھ دو۔ پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کے لئے اپنی آئندہ نسل کے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ "ما تعبدون من بعدی" (میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے) میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر۔ اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ ملّت کے پیمانہ پر اور ملت ہندیہ اسلامیہ کے پیمانہ پر، ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستہ پر چلے گی۔ وہ کس گروہ و ملت کی پیرو ہو گی۔ کس کی پرستش کرے گی کن عقائد کو مانے گی۔ یہ خدائے واحد کی پرستار ہو گی یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں خداؤں اور دیوتاؤں کی۔ یہ اس وسیع کائنات میں اور اپنی محدود زندگی میں کس کے دست قدرت کا کام کرتا ہوا دیکھے گی؟ اور مانے گی"

اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اپنے ملّی تشخص کو برقرار رکھنے کی جدوجہد شروع ہو گئی ہے اس کو جاری رکھیں ہم کو کسی ملک میں دریا کی مچھلیوں کی طرح (جن کی کوئی شناخت نہیں ہوتی) زندگی گذارنے کی اجازت نہیں۔ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے پوری ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور اس کے نتیجہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو پہلے سے قائم تھا اس کو اپنا موضوع بنایا۔ پھر یکساں سول کوڈ کا مسئلہ ہے ان سب مسئلوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہاں بھی میں اپنی گذشتہ تقریر کا کچھ حصہ پیش کروں گا جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس بمبئی منعقدہ ۱۵/۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء میں کی گئی، میں نے کہا تھا:۔

"مسلمان اگر مسلم پرسنل لا (شرعی عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کر لیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے۔ اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں۔ فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت و تہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی۔ اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر و محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہنا ہے اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود

اور گھر میں مسلمان نہیں۔ اپنے معاملات میں مسلمان نہیں۔ اپنے عائلی و خاندانی روابط تعلقات میں مسلمان نہیں۔ اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے۔ جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے۔ اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کو اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون و اطمینان میں مضمر ہے۔"

حضرات میں نے چند سال ہوئے اندور میں ٹیگور ہال میں پیام انسانیت پر تقریر کی۔ اس موقعہ پر R.S.S کے لوگ موجود تھے، اگلے دن ایک وفد میری قیام پر آیا مجھے معلوم ہوا کہ اس میں R.S.S کے لیڈر اور اس کے ذمہ دار ہیں اور مجھ سے باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ "کل آپ کی تقریر سن کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ آپ کو اس ملک کی ہم سے زیادہ فکر ہے۔" میں اس تاثر اور شہادت کو اپنے اور پوری ملت کے لئے قابل شکر سند سمجھتا ہوں۔ ضرورت ہے کہ آپ کی ہر بات سے اس کا اظہار ہوا اور یہاں کے شہری یہ سمجھیں کہ آپ کو اس ملک کی ان سے زیادہ فکر ہے۔ آپ کو دولت سے زیادہ ملک عزیز ہے۔ آپ کو یہ معاشرہ عزیز ہے۔ لوگوں کا عزت کے ساتھ، سکون کے ساتھ، امن و امان کے ساتھ رہنا آپ کو دولت کمانے سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جو مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ لوگوں میں بھی یہ بات نہیں رہی وہ بے تکلف اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے اس سطح پر آجاتے ہیں اور وہ کام کر لیتے ہیں جس سے ملک خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ معاشرہ بری طرح زوال کا شکار ہوتا جا رہا ہے اور پوری پوری کمیونٹی بلکہ ملک کی اس عظیم آبادی میں اس صورت حال سے حقیقی طور پر مضطرب و بے چین ہونے والا اور اپنی کمیونٹی، پارٹی، فرقہ اور جماعت کی ملامت و تنقید یا مدح و تعریف سے بے پرواہ و بے نیاز ہو کر تنقید و احتساب کا فرض ادا کرنے والا اور خطرہ کا بگل بجانے والا دور دور نظر نہیں آتا۔

حضرات! آپ کے اس اجلاس میں بڑے بڑے علماء، فضلائے علوم دینیہ، زعماء و قائدین، اہل قلم و مفکرین موجود ہیں۔ میں اپنی اس گزارش کو اسلام کے عہد اول کے ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ کو یاد دلانے پر ختم کرتا ہوں جو ہمارے لئے پورا پیام رکھتا ہے۔

جس وقت جزیرۃ العرب میں ارتداد کی آگ پھیل گئی تو یہ سب کی ذمہ داری تھی۔ لیکن ذمہ داری کے

احساس میں فرق ہوتا ہے۔ یہی فرق آدمی کو بڑا اور زندہ جاوید بناتا ہے۔ ابوبکرؓ اس وقت خلیفۂ وقت تھے انہوں نے کہا اینقص الدین وانا حیؓ کیا میرے جیتے جی دین میں کوئی کتر بیونت ہوسکتی ہے؟ کوئی قطع برید ہو سکتی ہے؟ حیف ہے میری زندگی پر اگر میرے سامنے شریعت اسلامی میں ترمیم ہونے لگے اور اس کے فرائض و احکام میں انتخاب کیا جانے لگا کہ نماز تو ٹھیک، حج بھی ٹھیک، روزہ بھی ٹھیک لیکن زکوٰۃ نہیں۔ یا زکوٰۃ بھی ٹھیک، روزہ نہیں۔ میں زندہ ہوں اور میرے سامنے یہ تحریف ہو؟ ہو نہیں سکتا۔

بس یہ حمیت تھی جو اہل کران کی زبان پر آئی اور یہ لفظ ان کی زبان سے نکلے۔ اور اس نے زمانہ کی کلائی موڑ دی اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ ایک انسان کی حمیت اسلامی، ایک انسان کے احساس ذمہ داری نے تہ بہ تہ مشکلات کو کائی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ تاریخ لمبی ہے اور واقعۂ ارتداد اور اس کی تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں۔ لیکن حقیقت میں جو فیصلہ کن بات تھی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات تھی:۔

"یہ نہیں ہوسکتا میں زندہ ہوں اور دین پر حرف آئے"۔ میں نے جو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا تھا وہ دین بے کم و کاست سو فیصدی رہے گا۔ ایک نقطہ کو بھی میں اپنی جگہ سے مٹنے نہیں دوں گا۔ اور انہوں نے کر کے دکھا دیا۔ اور آج اسلام اپنی پوری شریعت، اپنے ارکان و فرائض اور اپنے مکمل ڈھانچہ کے ساتھ موجود ہے۔

عہد حاضر بھی اس وقت کے علماء، قائدین اور سچے وفادار حاملین دین سے اسی دینی غیرت و حمیت اور اسی ہمت و عزیمت کا متوقع و منتظر ہے اور مستقبل کا مورخ ہی نہیں عہد حاضر کا حقیقت نگار اور وقائع نویس بھی گوش برآواز ہے کہ وہ ہماری زبان (صرف زبان قال نہیں زبان حال) سے یہ اعلان سنے کہ ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

نوٹس

عام اطلاع کے لئے مشتہر کیا جاتا ہے کہ پاک۔چیک بارٹر پروٹوکول نمبر ۲۳ مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۸۷ء کی ایل/سی کھولنے کیلئے مورخہ ۳۰-۶-۱۹۸۸ تک اور شپمنٹ کیلئے مورخہ ۳۰-۹-۱۹۸۸ تک کی توسیع کی گئی ہے۔

بشیر احمد بھٹی، سیکشن آفیسر

PID(I) 1491/56

مولانا شہاب الدین ندوی

نظریہ ارتقاء اور ماقبل آدم مخلوق

نینڈرتھل موجودہ انسان سے مختلف تھا	نینڈرتھل انسان (اپنی ساخت کے اعتبار سے) موجودہ انسان سے قطعاً مختلف تھا۔

He was certainly different from modern man (66)

ابتدائی نینڈرتھل لوگوں کے چہروں کے عمومی نقش ونگار اور اُن کی کھوپڑیوں کا محراب نما ہونا متشرع (ANATOMY) کے اعتبار سے موجودہ ہوموسیپی ینس (جدید انسان) سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھا۔ یہ بات اعضاء کی ہڈیوں کے بارے میں بھی صحیح ہے، اگرچہ یہ سب باتیں ابھی سختی کے ساتھ جانتی ہیں۔ اس کے باوجود اس کے ڈھانچے کی ہئیت پیچیدہ ہے جو موجودہ انسانی آبادیوں سے ممتاز ہے۔

The general pattern of the anatomy of the face and ever of the skull vault of these early Neanderthal peoples was not greatly unlike that of modern Homo Sapien this was also true of the bones of the limbs, although these are still hardly known. There was none-thless a complex of skeletal features that distinguished them from modern human population. 67

66۔ دی ہیومن باڈی۔ ص ۹

67۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۱۲/ ۹۱۱ مقالہ نینڈرتھل مین

نینڈرتھل انسان کے بارے میں ایک دوسرا بیان یہ بھی ہے کہ یہ گروہ اصلاً کاسۂ سر دانت اور دیگر اوصاف کی یکجائی کی وجہ سے پہچانا گیا ہے جن کی بناء پر اس کو ایک علیحدہ نوع تصور کرنے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

This group was originally recognised by a combination of cranial, dental and postcranial features that were generally considered distinct enough to classify Neanderthal man as a seperate species. (68).

اس طرح ان دونوں بیانات میں کچھ تضاد پایا جاتا ہے مگر مجموعی اعتبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ نینڈرتھل مخلوق ایک الگ ہی نوع تھی، جس کو غالباً محض اُس کی "ذہانت" کی بناء پر ہوموسیپینس میں شامل کرلیا گیا ہے۔ بہرحال ماہرین اس کے بارے میں کافی تذبذب میں دکھائی دیتے ہیں۔

نینڈرتھل انسان کے بارے میں ایک اور معمہ

یورپ میں حجری دور کا کلچر تقریباً ۳۵ ہزار سال پہلے دفعتاً غائب ہوگیا اور نینڈرتھل انسان کی جگہ میگنن انسان نے لے لی، جو موجودہ انسان سے قدرے مختلف تھا۔ [69]

نینڈرتھل انسان اچانک اور دفعتاً روئے زمین سے کسطرح غائب ہوگیا؟ یہ ایک ایسا معمہ ہے جو اب تک حل نہیں ہوسکا ہے۔ یعنی زمین کی کھدائی اور طبقات الارض کی تحقیق کے مطابق احفوری ریکارڈ (FOSSIL RECORD) سے یہ نوع اچانک غائب ہوگئی، جس کے بارے میں مختلف نظریات ہیں مگر ان کا کوئی بھی صحیح حل اب تک سامنے نہیں آیا ہے گویا کہ عقلِ انسانی اس کی گرہ کشائی سے عاجز دکھائی دیتی ہے۔

Quite suddenly these people disappeared from the fossil record and various theories have been put forward to account for their disappearance. (70)

---

68 انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۲/۹۱۱ مقالہ نینڈرتھل مین

69 دی ہیومن باڈی، ص 9

70 برٹانیکا ۸/۱۰۴۶، ۱۹۸۳

The factor responsible for the disappearance of the Neanderthal peoples are an important problem to which there is unfortunately still no clear solution. 71

کرومیگنن انسان (CRO-MAGNON MAN) ہوموسیپی ینس (H. SAPIENS) یا "ذہین انسان" کا دوسرا نمائندہ کرومیگنن انسان مانا جاتا ہے اور یہ نام اس کو اس بنا پر دیا گیا ہے کیونکہ فرانس کے جس غار میں پہلی مرتبہ اس کے نمونے ملے تھے اس کا نام کرومیگنن تھا اور اندازہ ہے کہ کوئی ۳۵ ہزار سال پہلے اس کا ظہور ہوا۔

"مکمل طور پر جدید انسان غالباً ۳۵ ہزار سال پہلے ظاہر ہوا جس کا اولین نمائندہ کرومیگنن انسان ہے جب کہ پتھر کا زمانہ (حجری اوزار کے اعتبار سے) ترقی اور عروج پر تھا۔" [۷۲]

کرومیگنن فرانس کے ایک مقام DORDOGNE میں ایک غار کا نام ہے جہاں پر ۱۸۶۸ء میں ماقبل تاریخ کے چند ڈھانچے برآمد ہوئے۔ [۷۳] ان کے سر لمبے، پیشانیاں چھوٹی، چہرے بہت چوڑے، آنکھیں گہرائی میں اور قد لمبا تھا [۷۴]۔ ان کے دور کے متعلق اندازہ ہے کہ وہ ۳۵ ہزار سے لیکر ۱۰ ہزار سال قبل مسیح تک پائے گئے ہیں جب کہ ایک دوسرے اندازے کے مطابق ان کا دور ۲۵ ہزار سال تصور کیا جاتا ہے [۷۵]۔ ان کے کاسۂ سر کی گنجائش (CAPACITY) ۱۶۰۰ مکعب سنٹی میٹر تھی [۷۶]

کرومیگنن انسان موجودہ انسان سے قدرے مختلف تھا۔ یہ اپنے مورثوں کی طرح شکار کرتا اور گروہ کی شکل میں رہتا تھا۔ خانہ بدوش قبیلے غذا کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے تھے۔ یہ تمام تبدیلیاں تقریباً سات سے آٹھ ہزار سال قبل مسیح تک جاری رہیں جب کہ جدید حجری دور کے انسان نے مشرق وسطیٰ میں زراعت اور کاشت کاری کرنے اور مویشی پالنے کا آغاز کیا [۷۷]

---

[۷۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۹۱۲/۱۲ [۷۲]۔ ایضاً: ۷۰۹/۸
[۷۳] ایضاً: ۲۸۹/۵ [۷۴] دی اکسفورڈ السٹریٹیڈ ڈکشنری، ۱۹۸۲ء
[۷۵]، [۷۶] برٹانیکا: ۲۸۹/۵
[۷۷] دی ہیومن باڈی ص: ۹

کرومیگنن انسان موجود ہے یا ختم ہو گیا؟

نینڈرتھل انسان کے اچانک غائب ہو جانے کے بارے میں جن مسائل کا سامنا ہے، تقریباً وہی مسائل کرومیگنن انسان کے بارے میں بھی پائے جاتے ہیں، اگرچہ اس کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات کا بھی اظہار کیا جاتا ہے چنانچہ اس سلسلے میں بعض تصریحات ملاحظہ ہوں:-

شاید کرومیگنن انسان کی اصل ہی کی طرح اس کے کلچر کی مدت اور اس کا غائب ہو جانا بھی ایک پیچیدہ سوال ہے، تاہم خیال کیا جاتا ہے کہ کرومیگنن نسل مابعد کی یوروپین آبادیوں میں جذب ہو گئی [۷۸] مگر اس کے برعکس یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نینڈرتھل انسان ہی کی طرح کرومیگنن انسان بھی ناپید ہو گیا۔ [۷۹]

یہ سوال کہ کرومیگنن انسان کا رشتہ اس سے پہلے کے ہوموسیپی ینس سے تھا یا نہیں؟ اب تک غیر واضح ہے۔ اسی طرح اس کا رشتہ نینڈرتھل انسان سے جوڑنا بھی غیر فیصلہ شدہ ہے [۸۰] اس سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ غالباً یہ الگ ہی نوع تھی۔ بہرحال اگر مزید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ کرومیگنن مخلوق آج باقی نہیں رہی بلکہ پوری طرح ناپید (EXTINCT) ہو چکی ہے تو پھر اسلامی نقطہ نظر سے "آدم" کے تعین میں کوئی دشواری نہیں ہو گی بلکہ جدید انسان (MODE-RN MAN) یا موجودہ ہوموسیپی ینس کا اولین نمائندہ ہی آدم قرار پائے گا اور اب تک کی تحقیقات کی رُو سے بھی یہی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

احضوری انسان ارتقاء کا ثبوت نہیں ہے!

ارتقاء پسند لوگ کہتے ہیں کہ موجودہ انسان سے لاکھوں سال پہلے سے انسان جیسی شکل و صورت کی چند انواع کا احضوری اعتبار سے پایا جانا ارتقاء کا ناقابل تردید ثبوت ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس سے ارتقاء کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ زمانی اعتبار سے کسی نوع کا دوسری نوع سے مقدم ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مابعد کی نوع نے لازمی طور پر اس کے بطن سے جنم لیا ہو بلکہ زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ "ترقی یافتہ انواع" زمین کے طبعی حالات کی سازگاری کے اعتبار سے زمانی طور پر یکے بعد دیگرے وجود میں آئی ہوں، پھر جب زمین کے حالات بدل گئے تو اس ناسازگاری کی وجہ سے اگلی انواع ختم ہو گئی ہوں۔

۷۸۔ برٹانیکا: ۵/۲۹۰

۷۹۔ برٹانیکا (خورد): ۵/۱۰۵ ۸۰ ایضاً: ۵/۲۹۰

مگر اس موقع پر طبعی حالات کے علاوہ غیر معمولی طور پر بعض فوق الطبیعی عوامل بھی کارفرما نظر آتے ہیں، جیسا کہ اسلامی روایات کے تحت پچھلے صفحات میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس لحاظ سے "شعوری انواع" یا کوئی بھی "مکلّف مخلوق" روئے زمین پر صرف ابتلا و آزمائش کی غرض سے پیدا کی جاتی ہے اور اس کے سر پر "خلافت ارض" کا تاج رکھا جاتا ہے مگر جب وہ اپنے فرائض کی ادائگی میں ناکام ہو جاتی ہے تو پھر خلافت ارض کا تاج بھی اس سے چھین کر کسی دوسری نئی مخلوق کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ ازل سے یہی سنت الٰہی جاری و ساری ہے، اس موضوع پر اگلے صفحات میں مزید روشنی ڈالی جائیگی۔

غرض اس لحاظ سے سابقہ انواع کے چند جزئی آثار و باقیات کو دیکھ کر جو یہ قیاس کر لیا گیا ہے کہ زندگی کا ارتقاء ادنیٰ سے اعلیٰ حالتوں کی طرف خود بخود بتدریج موجودہ ترقی یافتہ حالت تک پہنچا ہوگا، وہ کسی بھی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ صرف ایک قیاس یا مفروضہ ہے، جس کے ثبوت میں کوئی مشاہداتی حقیقت موجود نہیں ہے، اس کے علاوہ اس راہ میں کئی ایسے پیچیدہ مسائل بھی کھڑے ہو گئے ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے، انسانی "ارتقاء" کا سلسلہ ماقبل کی انواع سے ملانے کے سلسلے میں جو دشواریاں حائل ہیں، ان کے پیش نظر خود ڈارون نے بھی اپنی کتاب DESCENT OF MAN میں اس طرح اعتراف کیا ہے۔

مختلف شکلوں کے ایک سلسلے میں جو بندر نما مخلوق سے موجودہ انسان تک غیر محسوس طور پر بتدریج رونما ہوئے ہیں، اس بات کا تعین کرنا ناممکن ہے کہ (ان مختلف شکلوں کے لئے) انسان کی اصطلاح کب استعمال کی جانی چاہیئے؟

An a series of forms graduating insensibly from some ape-like creature to man as he now exists, it would be impossible to fix on any definite point when the term man ought to be used. 81.

اس لحاظ سے ارتقاء استقرا کی کسوٹی پر ثابت ہونے کے بجائے محض ایک دعویٰ ہیں دعویٰ دکھائی دیتا ہے، جس کا کوئی ثبوت اب تک مہیا نہیں ہو سکا ہے بلکہ حقائق مسلسل طور پر اس کو غلط قرار دے رہے ہیں۔

۸۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا: ۸/۱۰۴۳، ۱۹۸۳ء

روحِ خداوندی کا جلوہ

لہٰذا ان ناپید انواع کا وجود کسی بھی طرح ارتقاء کا ثبوت نہیں ہو سکتا، بلکہ اس سلسلے میں کچھ ایسے حقائق پائے جاتے ہیں، جو بجائے ارتقاء کے تخلیقِ خصوصی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ان میں سے ایک واضح اور نمایاں حقیقت یہ ہے کہ حیاتیاتی ارتقاء (BIOLOGICAL EVOLUTION) کی بہ نسبت شعوری و نفسیاتی ارتقاء جس نے مدنیت و عمرانیت کو جنم دیا، بہت تیزی سے واقع ہوا ہے، جس نے ماہرین کے سامنے ایک سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے، چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا جاتا ہے۔

حیاتیاتی اور نفسیاتی - عمرانی ارتقاء کا بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ حیاتیاتی ارتقاء بہت ہی سست رو واقع ہوا ہے، جس نے انسان کو پیش کرنے کے لئے تقریباً ۳ ارب سال لے لئے جبکہ اس کے برعکس نفسیاتی - عمرانی ارتقاء نہایت تیزی کے ساتھ صرف ایک قلیل مدت یعنی دس ہزار سال میں ہو گیا۔[۸۲]

مشہور مؤرخ ٹائن بی نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شعور (CONSCIOUSNESS) کا ظہور پچھلے ایک ملین یا نصف ملین سال سے اتنی شدت کے ساتھ نہیں ہوا، جتنا کہ صرف پچھلے پانچ ہزار سال کے دوران ہوا ہے[۸۳]

اس موقع پر سوال یہ ہے کہ شعوری یا نفسیاتی وصف کی یہ زیادتی اور تیز رفتاری اچانک اور دفعتہً کیونکر نمودار ہو گئی؟ کیا بغیر کسی سبب کے یا اس کے پیچھے کوئی سبب و عامل بھی کارفرما ہے؟ اگر اس کائنات میں "ذہن" کی کوئی کارفرمائی اور اس کی منصوبہ بندی موجود ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ غیر معمولی واقعہ بلاوجہ اور بلا سبب پیش نہیں آ گیا اور ایک "بے معنی مادہ" میں یونہی الل ٹپ "معنویت" پیدا نہیں ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غیر معمولی واقعہ "ظہورِ آدم" کی طرف اشارہ کر رہا ہے جبکہ نقاشِ فطرت نے "نفخ روح" کے ذریعہ آدم کو پردۂ سیمیں پر پیش کیا تا کہ لاکھوں سال کے فاصلے ہزاروں سال میں طے ہو جائیں۔

آپ مادہ اور اس کے عناصر کا تجزیہ کیجئے اور ان کے خواص و تاثرات کا تفصیلی جائزہ لیجئے آپ کو کہیں بھی "شعور و ادراک" کی پرچھائیاں تک بھی نہ ملیں گی، یہ ایسی پُراسرار چیز ہے جسکو "روحِ خداوندی" یا "خدائی پھونک" کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک فوق الطبعی یا (SUPER NATURAL) چیز ہے جسکی حقیقت تک رسائی انسان کبھی حاصل نہیں کر سکتا اور اس کو طبعیات کی دنیا میں تلاش

---

83. Toynbee mankind and mother Earth, P. 25, oxford University Press, New york, 1976.

کرنا بے سود ہے مگر یہی وہ "امرالہٰی" ہے جس کے ذریعے انسان دیکھتا اور سنتا ہے، بولتا اور لکھتا ہے سوچتا اور خیال کرتا ہے اور احساس واستدلال کرتا ہے۔

اگرچہ سابقہ انواع میں بھی یہ چیزیں کسی نہ کسی درجہ میں موجود تھیں، جس کے باعث وہ شرعاً مکلّف تھیں مگر اس کی شدت اور تیزی وہ نہیں تھی جو "آدم" میں رکھی گئی تھی۔ اس شدت وتیزی کے اظہار کے لئے غالباً آدم میں "نفخ روح" کا اعلان واظہار کیا گیا ہے جو آدم کا ایک امتیازی وصف ہے چنانچہ قرآن مجید میں آدم کے لئے تین جگہ اس کا اظہار کیا گیا ہے۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (اور جب میں (اس کے جسم کو) درست کرکے اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤ (حجر: ۲۹ اور ص: ۷۲)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ : (پھر اس نے (آدم کے جسم کو) درست کیا اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا (سجدہ: ۹)

غرض یہ روحِ خداوندی ہی کا تو کرشمہ ہے جو انسان مدنیت وعمرانیت کی اعلا سے اعلیٰ منزلیں طے کر رہا ہے اور اس کا یہ قافلہ کہیں بھی رکتا ہوا نظر نہیں آ رہا ہے اور یہ مقام ومرتبہ سوائے آدم اور بنی آدم کے اس دنیا میں کسی دوسری مخلوق کو نہیں مل سکا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا : اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی، خشکی اور سمندر میں انہیں سوار کیا، انہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت عطا کی (اسراء: ۷۰)

بات چل رہی تھی حیاتیاتی ارتقاء کی بہ نسبت شعوری اور نفسیاتی ارتقاء کی تیزی اور سرعت کی، تو اس سلسلے میں ماہرین حیاتیات کو اعتراف ہے کہ اس وقت انسانی مرحلے میں "حیاتیاتی ارتقاء" رک چکا ہے اور اب "شعور وادراک" کی کارفرمائی نظر آ رہی ہے، جس نے غیر شعوری اور "بے معنی عمل" کی جگہ لے لی ہے، مگر ایسا کیوں ہے؟ یہ بات انسان کے علم میں نہیں آسکی ہے۔

The interiorization of the evolutionary process at the stage of man, whereby conscious intelligence succeeded an apparently unconscious and "meaningless" process. In short, cultural evolution succeeded biological evolution but how it did so remained obscure.[84]

---

[84] دی انسائیکلوپیڈیا آف اگنوزنس، ص ۲۲۸، آکسفورڈ، ۱۹۷۸ء

کیا اس کو روح خداوندی کے جلوے کے سوا کوئی اور نام دیا جا سکتا ہے؟ مادہ پرست لاکھ انکار کریں، مگر حقائق اپنی جگہ حقائق ہوتے ہیں۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ اور زمین یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے نفس میں بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟ (ذاریات: ۲۰-۲۱)

چند مسائل اور ان کا حل یہ تھی انسانی "ارتقاء" کی کہانی اور زمین سے برآمد ہونے والے ماقبل تاریخ انسان کا ڈھانچوں یا اس کے آثار و باقیات کے جائزہ پر ایک نظر۔ ظاہر ہے کہ اس سے انسانی ارتقاء تو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت موجود شدہ حیوانات و نباتات میں باوجود اپنی نوعی اور قریبی مشابہتوں کے ارتقاء ثابت نہیں ہو رہا ہے تو پھر زمین سے برآمد ہونے والے چند ٹکڑوں یا اجزاء کی بدولت ارتقاء کس طرح ثابت ہو جائیگا؟ ہاں البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ان اجزاء (FRAGMENTS) کی اگر واقعی کوئی اہمیت ہے تو پھر ان معدوم شدہ انواع کو کس زمرہ میں شامل کیا جائے؟ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا، اسلامی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ آدم سے پہلے بھی زمین پر جنوں اور جنوں کی آبادیاں رہ چکی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کہ پچھلی انواع میں سے آدم کس کو قرار دیا جائے اور جن و جن کس کو؟ تو یہ مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ قرآن اور حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں، ان کا انطباق جس نوع پر بخوبی ہو جائے، وہی آدم ہے اور اس سے ماقبل کی انواع کو جن اور جن قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے جدید انسان (MODERN MAN) پر تو حضرت آدم کا انطباق یقینی ہے، جبکہ کرومیگنن نسل پر مشکوک ہے، اگر جدید انسان (جس کا آغاز تقریباً دس ہزار سال پہلے سے مانا جاتا ہے) کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا ہے تو جنوں کا سلسلہ کرومیگنن نسل سے شروع ہوا ہوگا یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ نینڈرتھل نسل سے شروع ہوا ہو مگر اس سلسلے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات بیان کرنا ابھی بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے ہمیں مزید تحقیقات کا انتظار کرنا چاہئیے۔

اس سلسلے میں ایک نہایت درجہ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ بعض انواع فاسل ریکارڈ سے اچانک غائب کیوں ہو گئیں جیسا کہ نینڈرتھل نسل کے بارے میں کہا جاتا ہے؟ اسی طرح بعض انواع کے درمیان زمانی اعتبار سے خلاء کیوں پایا جاتا ہے؟ تو یہ مشکل مسئلہ اسلامی روایات کی روشنی میں بخوبی حل ہو جاتا ہے کہ ان "شعوری انواع" کو ان کی کسی عالمگیر نافرمانی کی پاداش میں پوری طرح ہلاک کر کے ان کی جگہ پر دوسری نوع کو بسایا گیا ہو جیسا کہ قصۂ آدم کے سلسلے میں مروی ہے کہ تخلیق آدم کے موقع پر فرشتوں نے جنوں کو مار بھگایا اور ان کے وجود سے زمین کو پاک کر دیا۔

آدم کون ہے؟ اس موقع پر اسلامی نقطۂ نظر سے چند ایسے حقائق بیان کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم نہ صرف ایک مہذب اور ترقی یافتہ شخصیت کا نام تھا بلکہ وہ انتہائی معزز اور تعلیمیافتہ بھی تھا بلکہ وہ بہت وجیہہ اور خوبصورت شخصیت کا مالک تھا، لہٰذا کسی "بوزنہ" یا "انسان نما بندر" یا "تحت الانسان" پر آدم کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کے متعدد نصوص کی بناء پر حضرت آدم علیہ السلام نہ صرف ابوالبشر تھے بلکہ دنیا کے اولین نبی اور پیغمبر بھی تھے۔

۱۔ آدم کو دنیا کی تمام چیزوں کے نام بتا دیئے گئے تھے۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (اور اللہ نے آدم کو سارے نام بتا دیئے (بقرہ : ۳۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم علم و معرفت کے اُجالے میں نمودار ہوا تھا نہ کہ جہل و ناواقفیت کے اندھیرے میں، لہٰذا کوئی جنگلی یا غیر مہذب یا جاہل "انسان" آدم نہیں ہوسکتا۔

۲۔ آدم یعنی دنیا کے پہلے انسان کو اس کی پیدائش کے فوراً بعد بطور معجزہ بولنا سکھایا گیا۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ : اللہ نے انسان کو پیدا کر کے اس کو بولنا سکھایا (رحمان : ۳-۴)

واضح رہے کہ قرآن میں بعض مواقع پر "الانسان" سے مراد حضرت آدم ہیں، مثلاً ملاحظہ ہو: حجر ۲۶، مومنون ۱۲، سجدہ ۷، رحمان ۱۴ اور علق ۵ وغیرہ۔ غرض اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور قتادہ سے مروی ہے۔ اسی طرح "عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" کے بھی تین مطلب ہوسکتے ہیں (۱) ہر چیز کے نام (۲) ہر چیز کا بیان (۳) زبانیں [۸۵]

نیز ابن منذر نے ابن جریجؒ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم ہیں، جن کو اللہ نے ہدایت اور ضلالت کا راستہ کھول کر بیان کر دیا تھا [۸۶]

اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ "تعلیم" کے لئے نطق و گویائی ضروری ہے اور اس خصوصیت کے بغیر یہ مقصد ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم نہ صرف نطق و گویائی سے متصف تھے بلکہ ذہنی و دماغی حیثیت سے بھی ایک اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے، جس کی بناء پر وہ دنیا بھر کی چیزوں اور ان کے حقائق کا ادراک کر سکیں۔ اس موقع پر مفسرین

---

۸۵ زاد المسیر فی علم التفسیر از ابن جوزی : ۸/ ۱۰۹ مطبوعہ دمشق

۸۶ تفسیر در منثور، علامہ جلال الدین سیوطی : ۶/ ۱۴۰، بیروت

نے "الاسماء" کی جو تفسیر کی ہے، وہ پیش نظر رہنی چاہیئے جس کے مطابق حضرت آدم کو دنیا بھر کی تمام چیزیں اور ان کی خصوصیات بتا دی گئی تھیں [۸۸]

جدید اثری تحقیقات کی رُو سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ HOMINIDAE خاندان کی کس نوع میں اور کب گفتگو کی زبان کا آغاز ہوا؟ کیونکہ احضوری ہڈیاں اس مسئلے پر کسی بھی طرح کی روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں، لیکن چونکہ احضوری انسان بڑے بڑے جانوروں کا شکار کرنے کے لئے "گروہ" کی شکل میں رہتے تھے، اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ باہم اطلاع دہی کے لئے کچھ غیر لسانی اشارے استعمال کرتے رہے ہوں گے [۸۸]

اس لحاظ سے آدم کا اطلاق اس قسم کی کسی گونگی یا اشاراتی زبان میں گفتگو کرنیوالی مخلوق پر نہیں ہو سکتا۔

۳۔ کیا حضرت آدم لکھنا پڑھنا جانتے تھے؟ اس موضوع پر حسب ذیل آیات سے کچھ روشنی پڑتی ہے

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ : پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔ انسان کو وہ سب سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا (علق ۳-۵)

کعب کے بیان کے مطابق پہلے لکھنے والے انسان حضرت آدم ہیں [۸۹] اور ابن قتیبہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت آدم لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ پر ۲۱ اوراق پر مشتمل حروف معجم نازل کئے گئے تھے۔ یہ دنیا کی پہلی کتاب تھی جس میں تمام زبانوں کی حد بندیاں کر دی گئی تھیں [۹۰]

علامہ زرکشی ابوالحسین بن فارس سے نقل کرتے ہیں: بیان کیا جاتا ہے کہ جس نے عربی اور سریانی اور تمام کتابیں لکھیں، وہ آدم علیہ السلام ہیں، جنہوں نے اپنی موت سے ۳۰۰ سال پہلے مٹی پر لکھ کر اس کو پکا لیا تھا۔ پھر موصوف فرماتے ہیں کہ خط (تحریر) اکتسابی چیز نہیں بلکہ توفیقی (محض نوازش الٰہی کی بدولت حاصل ہونے والی) چیز ہے، پھر وہ مذکورہ بالا آیات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ جب حقیقت اس طرح ہے تو پھر یہ بات بعید نہیں ہے کہ اللہ نے حضرت آدم اور دیگر انبیاء کو بغیر اکتساب کے لکھنا سکھا دیا ہو [۹۱]

---

[۸۸] دیکھئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا : ۸ / ۱۰۲۸ ، ۱۹۸۳ء مطبوعہ بیروت

[۸۹] تفسیر روح المعانی : ۳۰/۱۸۱

[۹۰] المعارف، ابن قتیبہ، ص ۹، مطبوعہ کراچی

[۹۱]۔ البرہان فی علوم القرآن، بدرالدین زرکشی : ۱/ ۳۷۷ ، بیروت

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک

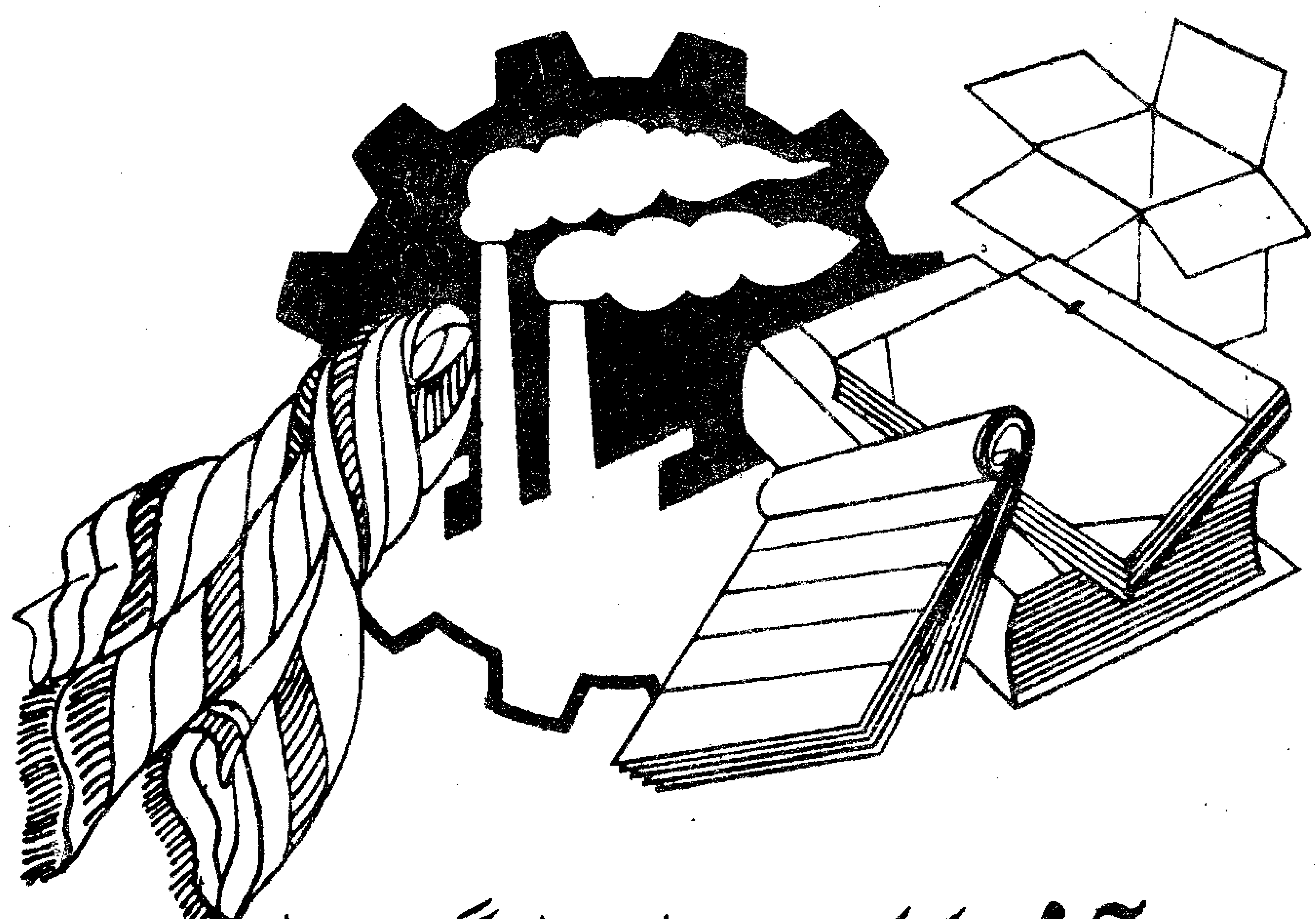

آدمجی کے کاغذ۔ بورڈ اور بلیچنگ پاؤڈر

adamjee

آدمجی پیپر اینڈ بورڈ ملز لمیٹڈ

آدمجی ہاؤس۔ پی۔ او بکس ۴۳۳۲ ۔ آئی۔ آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۲

NATIONAL 45 H

بدہضمی برسات کی سوغات

بدہضمی کا علاج کارمینا سے کیجیے

برسات میں نظامِ ہضم خاص طور پر متاثر ہوتا ہے
اور بدہضمی کی شکایت عام ہوجاتی ہے۔ ان دنوں میں معدے کی کارکردگی بحال رکھنے
کے لیے دونوں وقت پابندی سے کارمینا استعمال کیجیے۔

کارمینا معدے کی گرانی اور ہاضمے کی تمام خرابیوں کا مؤثر اور مجرّب علاج ہے۔

بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن اور تیزابیت
کی صورت میں کارمینا استعمال کیجیے۔

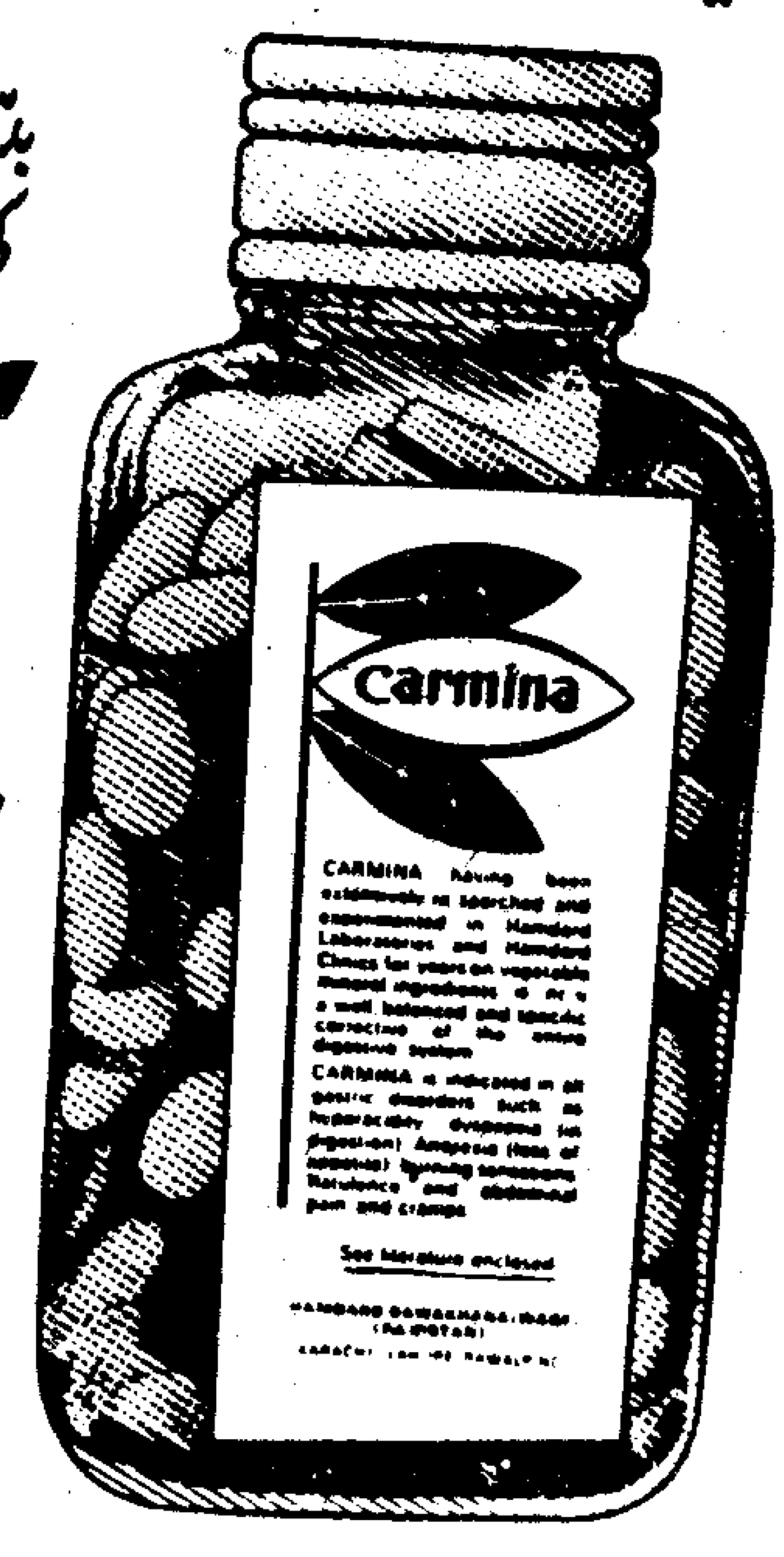

کارمینا

نظامِ ہضم کو بیدار کرتی ہے،
معدے اور آنتوں کے افعال کو
منظم اور درست کرتی ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے

Adarts-CAR-2/86

مولانا عبدالقیوم حقانی
فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

خوانِ زعفران

امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس و ندامت

رئیس المحدثین امام عبداللہ بن مبارک جو امام بخاری کے استاذ اور امام ابوحنیفہ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں کو بیروت کا سفر پیش آیا۔ غرض یہ تھی کہ بیروت جا کر امام اوزاعی کی خدمت میں حاضر ہوں اور علم حدیث کی مزید تحصیل و تکمیل کریں۔ چنانچہ آپ امام اوزاعی کی خدمت میں پہنچ گئے۔

پہلی ہی ملاقات میں امام اوزاعی نے آپ سے پوچھا۔

" کوفہ میں جو ایک شخص پیدا ہوا ہے اور دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے یہ کون ہے؟"

امام عبداللہ بن مبارک نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور خاموش اپنی قیام گاہ پر چلے آئے۔ دو تین روز بعد پھر ان کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اور حنفی فقہ کے چند کتابی اجزاء بھی ہاتھ میں لیتے گئے۔ جن کے سرنامہ پر "قال نعمان بن ثابت" لکھا ہوا تھا اور امام اوزاعی کی خدمت میں پیش کر دئے۔ امام اوزاعی پڑھتے گئے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک کہ ان کو مکمل پڑھ نہ لیا۔ پھر امام ابن مبارک سے پوچھا۔

اچھا! یہ بتائیے کہ یہ نعمان بن ثابت کون بزرگ ہیں۔

امام ابن مبارک نے عرض کیا۔ جی! نعمان، عراق کے ایک بزرگ اور ہمارے شیخ ہیں۔ ان کی صحبت میں مجھے حاضری کی سعادت حاصل رہی ہے۔

امام اوزاعی فرمانے لگے۔ " ماشاءاللہ، نعمان تو بڑے پائے کے شخص ہیں جاؤ اور ان سے بہت سا فیض حاصل کرو۔"

امام ابن مبارک نے عرض کیا حضرت! یہ وہی شیخ ہیں جن کو آپ گذشتہ روز بتدرع بتا رہے تھے۔

چنانچہ امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس کے بعد حج کی تقریب سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ تو وہاں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے ملاقات ہو گئی۔ اہم فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی بحث اور تقریر نے امام اوزاعی کو دنگ کر دیا۔ اس نشست میں امام عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے۔ بعد میں جب امام ابوحنیفہ چلے گئے

توامام اوزاعی نے امام ابن مبارک سے کہا۔

" امام ابوحنیفہ کے علمی اور فقہی کمالات نے ان کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بلاشبہ ان کے بارے میں میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے[1]

امام اعظم کا ایک خواب اور ابن سیرین کی تعبیر

ابن خلکان نے عبداللہ ابن مبارک کی روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام اعظم نے خواب دیکھا کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرقد مبارک کھود ڈالا ہے۔ اور آپ کی ہڈیاں مبارک جمع کر رہے ہیں۔ صبح کو اٹھے تو پریشان اور حیران تھے۔ بعد میں جب علم تعبیر الرؤیا کے مشہور عالم علامہ ابن سیرین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے بغیر تعارف کے اپنا خواب بیان کیا۔ ابن سیرین نے فرمایا :-

صاحب هذه الرؤیا یثیر علما لم یسبقه الیه احد قبله[2]

یہ خواب دیکھنے والا علم کی خدمت واشاعت اس طریقہ سے کرے گا کہ اس سے قبل کوئی بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا۔

یہ خواب ابوحنیفہ نے دیکھا ہوگا۔ امام اعظم نے عرض کیا حضرت! میں ہی ابوحنیفہ ہوں۔

تو ابن سیرین نے فرمایا۔ اچھا! اپنی پشت اور اپنا بایاں پہلو دکھاؤ حضرت امام اعظم نے حسب الحکم اپنا پہلو اور کمر کھول دی۔ ابن سیرین نے امام اعظم کے بازو اور پشت پر تل کے نشان دیکھ کر فرمایا۔ واقعۃً آپ ابوحنیفہ ہی ہیں۔ اور اس کے بعد خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ

اس سے مراد علم کا زندہ کرنا اور جمع کرنا ہے[3] (اور یہ خدمت اللہ پاک آپ سے لے گا۔)

ابوحنیفہ کا علم اور لوگوں کا احتیاج

کردری نے ابو معاذ فضل بن خالد سے روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت وملاقات کی سعادت حاصل ہوئی تو میں نے عرض کیا حضرت! امام ابوحنیفہ کے علم کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا " ان کے پاس ایسا علم ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت رہے گی[4]

چور پکڑا گیا اور طلاق واقع نہیں ہوئی

امام محمد کا بیان ہے کہ ایک شخص کے گھر میں چور داخل ہوئے اور اس کے گھر سے سامان اور قیمتی مال ومتاع اٹھا لیا۔ گھر کا مالک بیدار ہوا تو چوروں نے اسے پکڑ لیا اور اس کو

---

[1] تاریخ بغداد [2] وفیات الاعیان ج ۵ ص ۴۰۹ [3] حدائق الحنفیہ و تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۰ وخیرات الحسان [4] کردری ج ۲ ص ۱۲ وخیرات الحسان ص ۶۵

تین طلاق کا حلف لینے پر مجبور کر دیا۔ کہ کسی کو نہیں بتائے گا۔ یعنی یہ کہلوایا کہ اگر میں نے شور مچایا یا کسی کو بتایا کہ چوری کرنے والے لوگ کون ہیں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ چور اس بے چارے کا سارا مال و متاع اور قیمتی اسباب لوٹ کر لے گئے۔ صبح وہ شخص جب بازار آیا تو دیکھا کہ چور اس کا مال و متاع اور اس کے گھر کے قیمتی اسباب بازار میں فروخت کر رہے ہیں۔ مگر وہ حلف کی وجہ سے انہیں کچھ کہنے یا کسی دوسرے کو آگاہ کر دینے یا اس سلسلہ میں بولنے کی قدرت نہیں رکھتا تھا پریشان تھا اپنا قیمتی سامان فروخت ہوتے دیکھ دیکھ کر اس کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔

آخر یہی سوجھی کہ امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ لیا جائے۔ شاید کوئی حل نکل آئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے جب یہ قصہ سنا تو فرمایا اپنے محلہ کی مسجد کے امام، مؤذن اور محلہ کے ذی اثر اور چند وجیہہ افراد کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جب سب امام صاحب کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ اس بے چارے کا مال و اسباب اللہ کریم اسے واپس کر دے۔

سب نے اثبات میں جواب دیا تو امام صاحب نے فرمایا۔ تم لوگ اپنے ہاں کے تمام بدچلن اور بدنام و متہم لوگوں کو ایک گھر یا کسی مسجد میں جمع کر دو۔ ایک دو آدمی دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور جس کی چوری ہوئی ہے اس کو بھی اپنے ساتھ کھڑا کر دو۔

پھر گھر سے ایک ایک کو باری باری نکالتے جاؤ اور اس شخص سے ہر ایک کے بارے میں دریافت کرتے رہو کہ

هٰذا لصُّك
کیا یہ تمہارا چور ہے

اگر وہ شخص اس کا چور نہ ہو تو یہ کہہ دیا کرے کہ یہ میرا چور نہیں اور اگر نکلنے والا شخص واقعۃً اس کا چور ہو تو خاموش رہے جس شخص پر یہ سکوت اختیار کرے اسے اپنے قبضہ میں لے لو۔ کہ وہی اس کا چور ہے اس طرح چور بھی پکڑا جائے گا اور اس کی بیوی پر طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

لوگوں نے امام اعظم کی تدبیر و تجویز پر عمل کیا تو چور پکڑا گیا اور طلاق بھی واقع نہ ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہ کی فراست کے صدقے اس کا تمام مال مسروقہ واپس دلوا دیا[1]

ایام رمضان میں جماع کا حلف اور ابو حنیفہ کی تدبیر

ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ رمضان کے ایام میں اپنی بیوی سے جماع کروں گا اب اگر جماع کرتا ہے تو روزہ توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور جرم و سزا اور گناہ اس پر مستزاد اور اگر ان ایام میں قربت اختیار نہیں کرتا تو حانث ہوتا ہے۔ بہت سوں کے پاس یہ مسئلہ لایا گیا مگر جواب کہیں سے بھی نہیں ملا جب امام اعظم ابو حنیفہ کے سامنے صورت مسئلہ رکھی گئی تو آپ نے ایک ہی چٹکی میں مسئلہ حل کر دیا۔

---

[1] عقود الجمان ص ۲۶۹ و لطائف الاذکیا۔

ارشاد فرمایا :۔

یسافر بہا فیطؤھا نہاراً فی رمضان [1] — مرد سفر پر روانہ ہو، عورت کو ہمراہ لے، رخصت سفر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روزہ نہ رکھے اور اپنا مقصد پورا کرے۔

قیاس ابوحنیفہ کا ایک دلچسپ لطیفہ | محمد بن ابراہیم الفقیہ کی روایت ہے کہ ایک روز امام اعظم ابوحنیفہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں آپ کے ہاں ایک شخص کا گذر ہوا۔ امام صاحب نے اسے دیکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ :۔

ا۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ شخص مسافر ہے۔ ب۔ کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس شخص کی آستین میں کوئی میٹھی چیز بھی ہے۔ ج۔ پھر کچھ بعد فرمایا کہ میرے خیال میں یہ شخص معلم الصبیان (چھوٹے بچوں کا استاد) ہے۔

حاضرین میں سے ابوحنیفہ کا کوئی شاگرد اٹھا تاکہ اس شخص کے بارے میں یقینی اور قطعی معلومات حاصل کی جاسکیں۔ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ا۔ واقعی وہ شخص مسافر ہے۔ ب۔ اس کی آستین میں کشمش ہیں۔ ج۔ واقعۃً اس کا کام معلم الصبیانی ہے۔

حاضرین نے ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ آپ کو اس کی مسافرت کیسے معلوم ہوئی۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ گھور گھور کر دائیں بائیں دیکھتا رہا اور مسافر جہاں بھی جاتا ہے یہی کرتا ہے۔ میں نے اس کی آستین پر مکھی دیکھی تو یہی سمجھا کہ اس کی آستین میں کوئی میٹھی چیز ہے کہ مکھی ایسی چیزوں کی طرف دوڑ کر آتی ہے۔ اور میں نے اس شخص سے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ صبیان (چھوٹے بچوں) کو بڑی تیز نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ بچوں کے استاد ہیں [2]

نام کا اثر کام میں ہوتا ہے | اسماعیل بن حماد جو امام اعظم کے پوتے ہیں نے روایت کی ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک رافضی شیعہ رہتا تھا۔ اسے حضرات صحابہؓ سے حد درجہ بغض و عداوت تھی اسی عداوت کی وجہ سے اس نے اپنے دو خچروں کا نام صحابہ کے نام پر رکھ لئے تھے ایک کا نام ابوبکر اور دوسرے کا نام عمر کہہ کر پکارتا تھا۔ العیاذ باللہ

ایک روز اسے اپنے گدھوں میں کسی نے لات مار کر ہلاک کردیا۔ امام اعظم کو خبر کردی گئی تو امام صاحب نے فرمایا جاؤ تحقیق کرلو یہ وہی گدھا ہوگا جس کو یہ رافضی ظالم عمر کہہ کر پکارتا تھا کہ نام کا اثر کام میں ضرور ہوتا ہے اللہ نے اس گدھے سے عمر کے نام کی لاج رکھوائی اور حضرت عمرؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو دنیا میں گدھے کی لات سے مرجانے کی رسوائی دلوکی خسر الدنیا والاخرہ۔ جب تحقیق کی گئی تو بات وہی نکلی جو امام ابوحنیفہ نے کہی تھی [3]

---

[1] عقود الجمان صہ ۲۷۶ [2] عقود الجمان صہ ۲۵ [3] ایضاً صہ ۳۰۸

مولانا عبدالقدوس ہاشمی

مستشرقین کا طریق واردات اور استعمار کی حمایت

خدا کی رحمت | یہودیوں اور عیسائیوں کا واسطہ مسلمانوں سے بالکل ابتدائی دور میں ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مکی دور ہی میں یہودی اور عیسائی دینِ اسلام پر اعتراضات کی ابتداء کر چکے تھے۔ اور مخالفت کرنے میں وہ قریش کے بت پرستوں کے ہمنوا تھے۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ دور میں یہ مخالفت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی خصوصاً یہودیوں کی مخالفت اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی صادق ہونے کے خلاف طرح طرح کے اعتراضات اور جوابات کا ذکر موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں سے مسلمانوں کو ہر جگہ واسطہ پڑا۔ اور عراق و شام کی فتوحات نے تو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی راہیں پوری طرح کھول دیں۔ عیسائی علماء مذہب نے اس زمانہ سے بطور مہم کے اسلام اور اس کی تعلیمات سے واقفیت پیدا کرنے اور قرآن مجید اور سیرتِ رسول صلعم کے متعلق طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے کی ابتدا کر دی تھی۔ مگر اس زمانہ میں ان کی طرف خود عیسائی بھی کچھ زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بازنطینی حکومت کی سخت گیری کے مقابلہ میں مسلمانوں کی رواداری اور آزادی نے مفتوحہ علاقوں کی غیر مسلم آبادی کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ لوگ مسلمان فاتحین کی آمد کو "خدا کی رحمت" سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے متعصب مذہبی پیشواؤں کی طرف لوگ کم ہی توجہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ مصر و شام کے عیسائی اور یہودی علماء اور پیشوایانِ مذاہب اس کے مقابلہ میں بے دست و پا ہو گئے تھے۔

ولید بن عبدالملک (۸۶-۹۶) کے دور میں کاشغر، بخارا اور سندھ فتح ہو گیا اور اس زمانہ میں اندلس بھی ممالکِ اسلامیہ میں شامل ہوا۔ اب اہلِ یورپ سے مسلمانوں کا براہِ راست تعلق قائم ہو گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی یورپ کے زائرین بڑی تعداد میں بیت المقدس کنیسۂ قیامت اور ولادت گاہِ مسیح کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ بلکہ بہت سے یورپین طلبہ بیت المقدس اور دمشق میں رہ کر علم حاصل کرتے تھے۔ مگر ان کا تعلق اتنا گہرا اور ایسا وہ نہ ہوتا تھا جیسا کہ اندلس کی فتح کے بعد سے ہو گیا۔

عیسائیوں کا دجل وفریب یورپ کے طالبانِ علم کا تعلق اور عیسائی و یہودی پیشوایانِ مذہب کی اسلام کے خلاف، علم فلسفہ اور تحقیقات کے نام سے، مساعی بالکل ابتدائی دورِ اسلامی ہی سے جاری تھیں اور آج تک جاری ہیں۔ اس لئے ہم تاریخ کے کسی خاص وقت کو اس جد وجہد کا نقطہ آغاز قرار نہیں دے سکتے۔ البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کے طریقے بدلتے رہے۔ مقاصد میں اگرچہ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن کلیسا کا زور ٹوٹنے کے بعد سے کچھ ایسے مستشرقین ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے جرأت کے ساتھ اپنے ہی اساتذہ کی پھیلائی ہوئی بہت سی باتوں کو غلط قرار دیا۔ اور پوری قوت کے ساتھ ان کی تردید کی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ کہ اس تردید سے ان کا مقصد سچ کو سچ کر کے دکھانا تھا یا خود اپنی طرف سے پیدا کئے ہوئے شکوک کو قابلِ قبول قرار دینا تھا اس لئے کہ ان تردید کرنے والوں میں سے اکثر نے جہاں اپنے پیش رو مستشرقین کے کذب و افترا کی پوری قوت کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ وہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ نئے شبہات بھی پیدا کر دئے ہیں اور اتنی معصومیت کے ساتھ دبی زبان میں کوئی نہ کوئی نئی بات کہہ گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت پر کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہو سکے۔

مثلاً لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر علامہ ڈینس سورا اپنی کتاب "تاریخ الادیان" میں قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے وسروپا اعتراضات اور اپنے ماقبل کے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی جھوٹی باتوں کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۳۲ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ وہ اپنے بیان میں اس قدر غیر متعصب اور بے لاگ مصنف نظر آتے ہیں۔ کہ کسی کو ان کی نیت پر شبہ کرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ اچھے خاصے عقیدت مند کی طرح بیان کرتے ہیں کہ:-

> "مذاہب کے عظیم بانیوں میں سے شاید محمدؐ ایک ہی شخص ہیں۔ جن کی شخصیت تاریخی حیثیت سے بالکل واضح ہے اور خرافات نے ان کی شخصیت پر کوئی پردہ خفا نہیں ڈالا ہے"

اور اس کے بعد عقیدت مندانہ انداز میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں کی تعریف کرتے ہیں بلکہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں لیکن اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ:-

> "بلاشبہ عرب کے لوگ جنوں اور روحوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور روحوں کے حجری مجسموں میں جاگزیں ہونے کے قائل تھے۔ ان کے علاوہ قبیلہ قبیلہ کے الگ الگ بت بھی ہوتے تھے۔ اسلام نے ان سب بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ صرف ایک حجر اسود کو باقی رکھا شاید اس لئے کہ اس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا احترام مقصود تھا یا شاید یہ ایک سیاسی عمل تھا جس کے ذریعہ عربوں کے باہمی اتفاق کو باقی رکھنا مقصود رہا ہو!"

(صہ ۱۲۲۔ المستشرقون والاسلام مصنفہ زکریا ہاشم زکریا طبع القاہرہ ۱۹۶۵ء)

آپ نے دیکھا کہ فاضل پروفیسر نے کس معصومیت کے ساتھ یہ یقین دلانے کی سعی فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی مصلحت کی بنا پر ایک "بُت" کو باقی رکھا اور اس حد تک بت پرستی کو اسلام میں جائز قرار دیا۔ حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی جب کہ سینکڑوں بت تھے کبھی حجرِ اسود کو بتوں کے زمرہ میں شمار نہیں کیا گیا اور نہ کبھی اس کی پوجا کی گئی۔ حجرِ اسود کا ذکر ہی کیا اٹھارھویں صدی تک یورپ کے مستشرق اور محققین یہ لکھتے رہے کہ مسلمان جو حج کو جاتے ہیں وہ اس لئے جاتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک برنجی بُت بنوا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان اس بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں خود علمائے یورپ نے اس کی تردید کی۔ اور ایک بار نہیں بار بار مختلف ممالک کے علماء نے اس کی تردید کی تب یہ خیال لوگوں کے دلوں سے محو ہو سکا یا شاید اب بھی دور افتادہ دیہاتوں میں یہ خیال موجود ہو۔

<u>مستشرقین کی مساعیٔ جمیلہ</u> بہر حال جیسے جیسے علم کی روشنی پھیلتی گئی۔ عربی کی کتابیں یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتی رہیں۔ اور یہ انتہائی ناحق شناسی ہو گی کہ عربی کتب کے اصل مضمون کی تصحیح و اشاعت اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے یورپین زبانوں میں ترجمہ کرنے کے جو عظیم الشان خدمت پچھلے پانچ سو سال کے اندر یورپ کے مستشرقین نے انجام دی ہے اس سے انکار کیا جائے۔ یا ان کو کمتر درجہ کا کارنامہ قرار دیا جائے۔ اس کے لئے سینکڑوں مستشرقین نے اپنی عمریں صرف کیں۔ حکومتوں اور بادشاہوں نے لاکھوں روپے خرچ کئے۔ دولت مندوں نے بڑے بڑے اوقاف قائم کئے۔ اور آج عربی کی بڑی بڑی اہم کتابیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں سے بہت سی کتابیں وہی ہیں جو مستشرقین کی مساعیٔ جمیلہ سے پہلی بار طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں آئی ہیں۔ اس طرح افتراپردازی کا وہ بادل بھی آہستہ آہستہ چھٹ رہا ہے جو صدیوں تک قدیم مستشرقین اور پیشوایانِ مذاہب کے بیانات اور ان کی تحریروں سے یورپین ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ اب تحریروں کے انداز اور مستشرقین کی تحقیقاتِ اسلامی کا طریقہ کسی نہ کسی قدر بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ اگرچہ اب بھی مقاصد میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی۔

پادری زویمر کی "تحقیقاتِ اسلامی" اور ڈاکٹر کینٹویل اسمتھ کی "تحقیقات" میں مقاصد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ملتا۔ دونوں کی تحقیقات کو دیکھ لیجئے مقصد وہی استعماریت کی تائید اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کی سعی ہے۔

<u>چار ادوار</u> مستشرقین یورپ کی اسلامی تحقیقات کو ہم سہولتِ مطالعہ کے لئے چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں :-

۱۔ پہلا دور ابتدائے تاریخ اسلامی یعنی ساتویں صدی مسیحی یا گریگوری سے لے کر پندرھویں صدی مسیحی یعنی

بیداری یورپ تک۔

۲۔ دوسرا دور پندرھویں صدی کی ابتدار سے اٹھارھویں صدی کے اختتام تک۔

۳۔ تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتدار سے بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی کے ختم یعنی ۱۹۲۵ء تک۔

۴۔ چوتھا دور ۱۹۲۶ء سے آج تک۔

دور اول میں یورپ کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے۔ اور مسلمانوں کی حیثیت استادوں کی سی۔ یہ دور تقریباً آٹھ سو سال کے طویل زمانہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں مسلمان اندلس میں صقلیہ میں اور جنوبی اطالیہ میں حاکمانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے علماء اور فلسفی ان علاقوں میں موجود تھے۔ اس وقت علم اور تمدن کے مالک مسلمان تھے ان ہی کی تہذیب تھی اور ان ہی کے علوم، علوم شمار کئے جاتے تھے۔

اس دور میں عیسائیوں اور خصوصاً یورپ کی ساری علمی زندگی پر ارباب کلیسا کا قبضہ تھا۔ پاپائے اعظم اور ان کے نائبین مسلمانوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ اور عربی کتب و رسائل جمع کرتے تھے۔ اسلامی قوانین کا تھوڑا بہت مطالعہ اس دور کے آخری حصہ میں کیا گیا۔ طب، فلسفہ، فلکیات، زراعت اور قانون پر مسلمانوں کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی اور فرنچ زبانوں میں ہوا۔

ابن رشد اور جابر بن اسحاق اور ابن سینا کی کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ یہ کام عموماً اطالیہ میں اور کسی قدر فرانس میں ہوا لیکن نہایت دانائی کے ساتھ فارابی کو "فارابس" "ابن رشد" کو "ایوی روس" جابر کو "جیبر" اور ابن سینا کو "اوی سینا" بنادیا گیا۔ اور طلبہ کو یہ کبھی نہیں بتایا کہ یہ لوگ یورپین عیسائی نہیں بلکہ مسلمان تھے۔ اگرچہ یہ راز زمانۂ مابعد میں راز نہ رہ سکا۔ لیکن یورپ کے کچھ نہ کچھ لوگ اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ یورپین تھے اور مذہباً مسیحی تھے۔

اس دور میں مسلمانوں اور دین اسلامی سے متعلق بڑے بڑے عجیب و غریب ہیبت ناک قصے ارباب کلیسا کی طرف سے پھیلائے گئے۔ کچھ مسلمانوں کی سفاکی کے قصے اور کچھ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بے سرو پا افسانے خوب خوب گھڑے گئے اور اسی زمانے میں یورپ والوں کو یہ باور کرایا گیا کہ مسلمان مکہ میں رسول اللہ کے برنجی بت کو سجدہ کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

اسی دور کا ایک بڑا فاضل اے تورمیدا بھی ہے جس نے اطالیہ میں تعلیم حاصل کی۔ بہت دنوں تک عیسائی خانقاہ کا مرشد اعلیٰ رہا۔ اس کے بعد تونس چلا گیا۔ وہاں صدق دل سے مسلمان ہوگیا اور عبداللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ وہاں تقریباً اسی سال کی عمر میں ۱۴۳۲ء میں وفات پائی۔ اس کی قبر تونس میں باب المنارہ میں ہے (حوالہ سابق صہ ۱۲۲)

شیخ عبداللہ تورمیدا کے علاوہ اور بہت سے اطالوی اور فرنسیسی مستشرقین نے مطالعہ کے ذریعہ دین حق کو پالیا۔ اور مسلمان ہوگئے۔ ان میں سے بعض نے اسلام پر لاطینی اور فرنسیسی میں کچھ رسالے بھی لکھے تھے۔ خدا جانے کہ یہ رسالے اب کہیں موجود ہیں یا ضائع کروئے گئے۔

۲۔ دوسرا دور جو یورپ کی بیداری پندرھویں صدی مسیحی سے اٹھارھویں صدی کے ختم تک تقریباً ۴۰۰ سال پر مشتمل ہے۔ دولت عثمانیہ ترکی کی اقبال مندی کا زمانہ ہے۔ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور بہت سے ممالک یورپ کے عثمانیوں کے زیر نگیں آ گئے۔ اس دور میں ان کا لب ولہجہ بھی اسلاف کے خلاف بہت ہی تلخ ہو جاتا ہے۔ یہ تلخی عثمانی فتوحات کے خلاف جذبات نفرت کی پیداوار ہے۔

اس دور میں یورپین اقوام نے مشرق کی سرزمین ایشیا، افریقہ پر قبضہ جمایا۔ مستعمرات اور یورپین مقبوضات کا یہی زمانہ ہے۔ انڈونیشیا، ملایا، ہندوستان، سومالیہ اور جنوبی اور مغربی و مشرقی افریقہ پر، نیدرلینڈ، فرانس، جرمنی برطانیہ اور اطالیہ کے تسلط کی ابتداء اسی دور میں ہوئی۔ جن علاقوں پر ان استعمار پسندوں نے قبضہ کیا تھا ان میں سے اکثر میں مسلمانوں کی بڑی ہی نہیں بلکہ اکثریت کی آبادیاں تھیں۔ قبضہ اور تسلط قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ ان کی زبانیں سیکھی جائیں۔ ان کے عقائد و روایات سے واقفیت حاصل کی جائے۔ ان کے ایمان و عقیدہ کو وہم اور غیر ثابت شدہ حقیقت قرار دیا جائے۔

ان مقاصد کے لئے یورپین ممالک خصوصاً فرانس و جرمنی نے بڑی جدوجہد کی۔ اس وقت ان کے سامنے اہم ترین مسئلہ ایک یہ بھی تھا کہ دولت عثمانیہ کی قوت کو کسی طرح توڑا جائے۔ اس کام کے لئے یہ ضروری تھا کہ عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت اور دشمنی پیدا کر دی جائے اور نہ صرف پیدا کر دی جائے بلکہ اس منافرت کو دوامی صورت دے دی جائے۔ اس مقصد کے لئے فرانس کے بادشاہ لوئی چاردہم نے بے دریغ دولت صرف کی مستشرقین اور مشرق شناسوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر ان سے عربی قومیت، عربی تمدن، عربی رسم و رواج اور عربوں سے متعلق دوسرے امور پر کتابیں لکھوائی گئیں۔ عربوں کی تعریف و توصیف کے گیت گائے گئے۔

اس زمانہ کے مستشرقین کا بہت بڑا طبقہ یہ باور کرانے کی دھن میں لگا ہوا نظر آتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب بڑی عزت و شان کے مالک تھے۔ اسلامی تاریخ عربوں کے مجد و شرف کی تاریخ کا محض ایک باب ہے۔ اب تک جو تاریخیں لکھی جا چکی تھیں وہ مسلمانوں کی تاریخ ہوتی تھی۔ عربوں کی تاریخ الگ کوئی نہیں لکھتا تھا۔ لیکن اس دور کی آخری دو صدیوں میں عربوں کو ترکوں کے خلاف کرنے کی منظم جدوجہد یورپین حکومتوں نے مستشرقین کے ذریعہ شروع کی۔ عربی ممالک میں تحقیقاتی وفود کی ابتداء ہوئی۔ آثار قدیمہ نکالے جانے لگے۔ اور عربوں کو وطنی قومیت کے لئے تیار کیا جانے لگا جس کا نتیجہ تقریباً سو سال کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں خاطر خواہ نکلا۔

اس دور کی آخری دو صدیوں میں اسلام کے خلاف کتابوں اور رسالوں کی تالیف و اشاعت کا کام ایطالیہ اور فرانس تک محدود نہ رہا۔ بلکہ ان ہی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے ذریعہ یورپ کے دوسرے ممالک تک پھیل گیا خصوصاً جرمنی اور نیدرلینڈ میں مطابع قائم ہوئے۔ اور لوگ اس سلسلہ میں کام کرنے لگے۔ آخر میں انگلستان میں تعلیمی اشاعتی ادارے قائم ہوگئے۔

یہی وہ زمانہ ہے کہ جب کلیسا کا طلسم ٹوٹا اور اس دور کے آخر میں کچھ ایسے مستشرقین بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیشرو مستشرقین کی تردید کی اور ساتھ ہی کچھ نہ کچھ شبہات بھی پیدا کردئے۔

تیسرا دور انیسویں صدی کی ابتداء سے ۱۹۲۵ء تک ہے اس دور میں عربوں اور ترکوں کے مابین منافرت پیدا کرنے کی مہم بہت تیز کردی گئی۔ اسلامی کتابوں کے ترجمے بکثرت شائع ہوئے۔ اس زمانہ میں تحقیقات کے نام سے مسلمانوں کے اندرونی اختلاف اور جدید فرق اسلامیہ پہ بہت سی کتابیں تصنیف کی گئیں۔

اس دور کے مستشرقین عربی متون کی تصحیح اور علوم ریاضیہ و تجربیہ کے تراجم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ دو مقاصد کے لئے کام کرتے نظر آتے ہیں۔

اول۔ عربوں اور غیر عربوں میں تفریق کے لئے عربوں کی تعریف و توصیف اور غیر عرب مسلمانوں پہ الزامات کا التزام اور (دوم) مسلمانوں کی روایات اور ان کی تاریخ کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کی مساعی۔

مشہور پروفیسر پامر اور ان کے نامی گرامی شاگرد کرنل لارنس آف عربیا اسی دور کے بزرگ ہیں۔

چوتھا دور جو ۱۹۲۶ء میں امیر کائتانی کی وفات سے اب تک ہے۔

اس دور میں تحقیقات اسلامی کا دائرہ فقہ، اصول فقہ تک وسیع ہوگیا اسلامی فرقوں کے حالات اور ان کے افکار کی طرف توجہ بڑھا دی گئی ہے۔ اس دور میں ایک بات یہ بھی پیدا ہوگئی کہ بڑی حکومتیں خدا بیزاری اور مذہب سے نفرت کے اصول پر قائم ہوئیں۔ اس کی طرف توجہ ۱۹۲۵ء کے بعد سے ہوئی۔ اور ۱۹۴۵ء کے بعد تو خدا بیزار مملکتوں کا مسلسل پروپیگنڈا خود عیسائیت کے لئے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گیا۔ اس لئے باستثنائے چند مستشرقین یورپ کا لب ولہجہ اسلام کے خلاف یاوہ گوئی میں نسبتاً نرم ہوگیا۔ اور اس وجہ سے مذاہب کی کانفرنسوں، تقریروں اور مقالات صلح و آشتی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ اس صورتِ حال کا اثر سب پر نہیں پڑا۔

پادری سموئیل زویمر اور ان کے ہمنوا پوری طاقت کے ساتھ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھتے رہے۔ وہ اپنے لب ولہجہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکے مگر پھر بھی دیگر مستشرقین کا ایک بڑا طبقہ اس خطرہ کو محسوس کرکے اپنی تحریروں کو مصلحتاً کسی قدر نرم کرنے پر مجبور ہوگیا ہے۔

مستشرقین کی اسلامی تحقیقات کا مقصد جو ان کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ استعمار کے لئے راستہ کی ہمواری اور مسلمانوں میں تفریق پھیلانے کی جدوجہد کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ اس مقصد کے لئے وہ بڑے خلوص اور تندہی سے کام کرتے ہیں۔ تحقیق کے نام سے منافقوں اور اسلام دشمن اشخاص کے قدیم اقوال ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے ہیں اور چونکہ عرب عیسائیوں اور یہودیوں کے اکثر نام مسلمانوں کے سے ہوتے ہیں اس لئے بڑی آسانی کے ساتھ وہ دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں مسلمان حکومتوں میں ہمیشہ سے آزادی رائے رہی ہے۔ اس لئے ہزاروں یہودیوں اور عیسائیوں نے طرح طرح کی فضول اور مضر تحریریں لکھی ہیں اور آج یہ تحریریں اسی طرح پیش کی جاتی ہیں۔ جیسے کسی مسلمان عالم دین کی کتاب لکھی ہوئی ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متون کتاب کی طباعت واشاعت میں انہوں نے جو کام کیا ہے۔ فہرست سازی اور اشارہ نویسی میں جو محنتیں انہوں نے کی ہیں وہ لائق صد آفرین ہیں۔ ان کی محنت ومساعی سے بہت سی کم یاب اور قیمتی کتابیں چھپ کر ہمارے لئے قابلِ حصول ہو گئیں۔ لیکن جہاں انہوں نے ترجمہ وتحشیہ کا کام کیا ہے یا کوئی کتاب لکھی ہے۔ وہاں کبھی بالارادہ اپنے جذبہ عداوت کے ماتحت اور کبھی محض اپنی جہالت سے کتاب کو کیا سے کیا بنا کے رکھ دیا ہے۔ اور عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔

مثال کے لئے مشہور مستشرق فلوگل کو لیجئے۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ چھاپا۔ الفاظ کی فہرست مرتب کی اور ۱۸۴۲ء میں ایک وسیع لغت الفاظ قرآن مجید کا شائع کیا اس لغت میں انہوں نے ۳۹۔ الفاظ کے غلط عربی مادے لکھے اور نتیجۃً معانی بدل دئے مثال کے لئے ان پانچ الفاظ کو دیکھئے۔

۱۔ اثرن کا مادہ "ا۔ث۔ر" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل ث۔و۔ر ہے۔

۲۔ المخاص کا مادہ "خ۔و۔ض" حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل م۔خ۔ض ہے۔

۳۔ استبقوا کا مادہ "ب۔ق۔ی" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل س۔ب۔ق ہے۔

۴۔ وقرن کا مادہ "ق۔ر۔ن" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ر۔ر ہے۔

۵۔ مقیلا کا مادہ "ق۔و۔ل" قرار دیا۔ حالاں کہ اس کا صحیح مادہ فعل ق۔ی۔ل ہے۔

اس تبدیلی سے معانی بالکل بدل گئے یہ وہ مسٹر فلوگل ہیں جن کو مستشرقین کے نزدیک سند مستند کا مقام حاصل ہے۔

چونکہ ہمیشہ سے یہ اعتراض مسیحیت پر کیا جاتا رہا ہے کہ انجیل مقدس کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے وہ حضرت عیسیٰؑ کی غلط اور فرضی سوانح عمری ہے اس میں ایک لفظ بھی وحی الٰہی کا نہیں ہے اور یہ اعتراض بالکل صحیح ہے۔ دنیا میں کہیں وحی الٰہی کا ایک لفظ بھی بجز قرآن کے موجود نہیں ہے۔ یہ امر واقعہ ہے اس کا کوئی جواب عیسائی مبلغین کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے مستشرقین نے اپنی تحقیقات اسلامی کا سارا زور اس پر لگا دیا ہے کہ

قرآن مجید بھی اصلی نہیں ہے۔ لہٰذا قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے وہ عجیب عجیب دلائل پیش کرتے ہیں مثلاً علامہ گولڈزیہر اپنی کتاب مذاہب التفسیر الاسلامی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ایک لفظ کی صحت بھی قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ ابتداءً جب اسے لکھا گیا تو حروف پر نقطے نہیں تھے اس لئے لوگوں نے نہ جانے کیا لکھا تھا اور کیا پڑھا "

ذرا غور فرمایئے اس فاضل مستشرق نے کیا بات پیدا کی ہے جس قوم میں ما در زاد اندھے حافظ رہے ہوں اور جس میں آج تک اسناد سے شاگرد کی طرف علم کی منتقلی بذریعہ صوت و آواز ہو۔ اس میں نقطہ کی اہمیت کیا ہے۔ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے آواز سنتے تھے یا لکھی ہوئی تحریروں سے قرآن مجید یاد کرتے تھے۔ اور آج تک کسی مسجد یا کسی مدرسہ میں قرآن مجید بغیر معلم کی آواز کے بلیک بورڈ پر لکھ کر پڑھا جاتا ہے ؟ قرآن مجید کی آواز۔ مد۔ سکون۔ وقف۔ سکتہ یہ سب کچھ بذریعہ روایت محفوظ ہے۔ اس کے لئے حروف اور نقطہ کی ضرورت ہی کہاں پڑتی ہے۔ شاید علامہ گولڈزیہر کا مقصد یہ ہے کہ جب وحی آتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لکھوا کر اس لئے محفوظ فرما دیتے تھے کہ لوگ آکر مسجد میں رکھے ہوئے اس نوشتہ کو پڑھ لیں اور آپ کسی کو زبان سے کچھ نہیں سناتے تھے۔

یہی ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی نے قرآن مجید کیسے یاد کیا۔ اور نا حرف شناس تو بہت سے حافظِ قرآن صحابہؓ میں موجود تھے۔

اسی طرح کی مہمل دلیلوں اور مغالطوں کے ذریعے حضرات مستشرقین یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ تورات شریف اور انجیل مقدس کی طرح قرآن مجید بھی دنیا سے ناپید ہوگیا۔ اسی طرح سیرۃ طیبہ اسلامی تاریخ اور فقہ اسلامی میں طرح طرح کے شک پیدا کرنے کی کبھی بالارادہ کوششیں کرتے ہیں اور کبھی نقص مطالعہ اور غرور علم و فضل کی آمیزش سے ایسی باتیں لکھتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

سنئے ایک مبلغ اور مستشرق ہیں "لوئی وانڈرین" انہوں نے ایک علمی مجلس میں یہ اعتراض کیا کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر حضرت زبیرؓ اکثر آتے جاتے تھے اور کبھی کبھی وہاں سو بھی جاتے تھے ام المومنین ان کے سر میں کنگھی بھی کر دیتی تھیں۔ حالانکہ اسلام میں کسی عورت کا غیر مرد سے اس طرح خلا ملا جائز نہیں ہے۔ اس اعتراض کے بعد جب انہیں بتایا گیا کہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ حضرت زبیرؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں اور انہی نے بچپن میں ان کو پالا تھا کوئی غیر نہ تھیں۔ تو نہایت معصومیت سے کہا:۔

" اچھا یہی بات ہوگی "

مثالوں سے بات بڑی طویل ہو جائے گی۔ لہٰذا اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ عیسائی اور یہودیوں کو ہمیشہ ہی سے اس کا صدمہ رہا ہے کہ اسلام نے شام و عراق، مصر و مراکش میں کیوں قدم جما لئے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے انہوں نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور لے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ کام لیتے رہیں گے۔ مسلمانوں کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے شکایت کرنا بزدلی ہے۔ اور چوکنا رہنا ہوشیاری اور دانائی ہے۔

۲۔ عیسائی مبلغین جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ کسی مذہب کے مبلغ نہیں۔ کبھی وہ استعماری حکومتوں کے ہراول دستے تھے اور اب یورپین تہذیب و تمدن کے نقارچی ہیں۔ جنہیں بیش قرار تنخواہیں سیاسی مصالح اور تجارتی مقاصد کی تکمیل کے لئے دی جاتی ہیں۔ یہ مبلغ بھی ہوتے ہیں اور پروفیسر بھی اور کبھی کوئی اور روپ بھی دھار لیتے ہیں۔

۳۔ کسی کی بات کو بغیر تنقیح و تحقیق کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے مستشرقین کے علم و فضل سے مرغوب ہو کر کوئی بات قبول نہیں کی جا سکتی۔ رہی اچھی اور سچی بات تو یہ دوست سے ملے یا دشمن سے۔ کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اینما وجدت فھو احق بہا کلمہ حق مومن کا کھویا ہوا مال ہے جہاں کہیں مل جائے مومن ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔
سروس انڈسٹریز
پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور
واجبی نرخ پر جوتے بناتی
ہے
Servis
سروس شوز
قدم قدم حسین قدم قدم آرام

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر

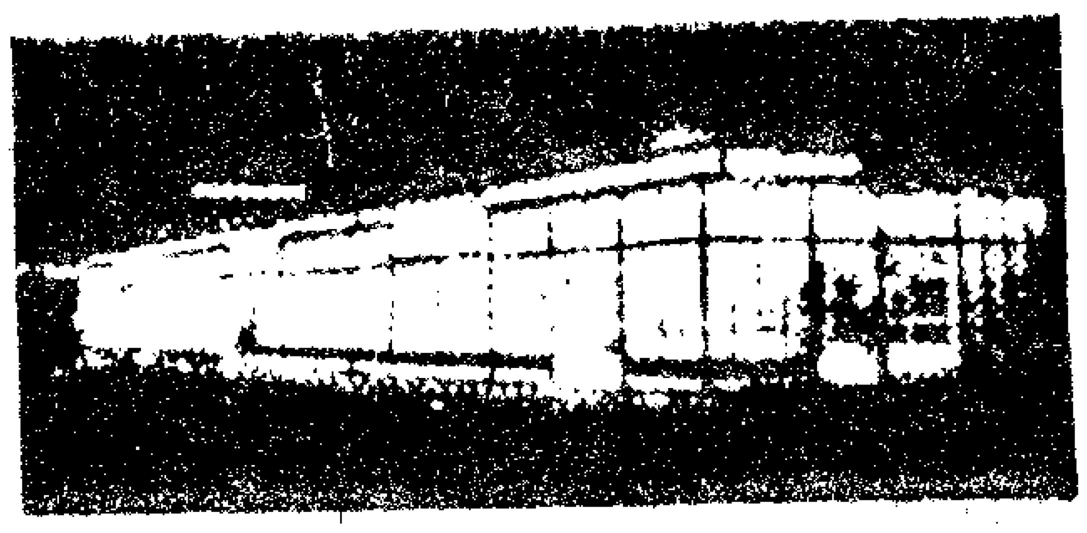

شیشہ
خواجہ کا

خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہِ پاکستان ——— حسن ابدال

فیکٹری آفس: ۱۰۰ ہارلے اسٹریٹ صدر راولپنڈی
رجسٹرڈ آفس: ۳ ۔ ایبٹ روڈ، لاہور

مولانا محمد عبدالمعبود صاحب ۔خطیب جامع مسجد پھولوں والی
راولپنڈی

چراغِ حنفیت اور مخالفت کے پھونکے

ہر ایک چیز قدرتی ساخت کے اعتبار سے دو پہلوؤں کی حامل ہوتی ہے ۔جیسا کہ اطاعت کے پردہ میں نافرمانی پنہاں اور موافقت ،مخالفت کی پردہ داری کرتی ہے ۔اور جس طرح آفتاب عالمتاب کی درخشندگی و تابندگی میں رات کی تاریکی مخفی اور گرمی کی تمازت میں پانی کو منجمد کر دینے والی سردی کا تصور غیر متزلزل ہے اسی طرح انسانی اذہان کی سوچ کے دھارے بھی متفرق اور مختلف سمتوں کے گرویدہ ہوتے ہیں ۔حقائق کے آشکارا ہونے کے باوصف انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت و حقانیت کی توثیق و تائید کے لئے معجزات کا ظہور نبوت کا جزو لاینفک بنا دیا گیا ۔ انبیاء کرام کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاق برگزیدہ روز روشن کی طرح تابندہ ہونے اور ان کی توصیف و تعریف سے ہر کس و ناکس رطب اللسان ہونے کے باوجود سب سے زیادہ مخالفت ،معاندت اور الزامات و اعتراضات کا نشانہ انہی کو بنایا گیا۔ فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے ۔ " اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل " سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام ابتلا کا شکار ہوئے اور پھر جس کی نسبت ان سے قریب تر تھی ، وہ اسی مناسبت سے مبتلائے مصائب و آلام ہوا ۔

قدرت کی نیرنگیوں پر عقل انسانی محوِ حیرت ہے کہ اپنے محبوب و مقرب بندوں کو جس قدر اہتمام بالشان اور اعلیٰ و ارفع مقام و منصب مرحمت فرمایا وہ اتنی ہی شد و مد کے ساتھ روح فرسا حالات و واقعات سے دوچار بھی ہوئے ۔اس داستانِ درد و دل کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔کہ انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ جو ساری کائنات سے بلند و بالا رتبہ و شان کے مالک ہونے کے باوصف کفار نابکار کی ریشہ دوانیوں اور بہتان طرازیوں سے محفوظ نہ رہ سکیں ۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدسی صفات جماعت کے باہمی مشاجرات کو بہانہ بنا کر ان کے خلاف دشنام طرازی اور طعن و تشنیع کا ایسا طوفان برپا ہوا جو تھمنے اور رکنے کا نام ہی نہیں لیتا ۔اور ستم بالائے ستم یہ کہ بعض " اپنے " ہونے کا دم بھرتے ہوئے بھی انہیں تنقید و تنقیص کا تختہ مشق بنانے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتے ۔

امت کی کتنی ہی مقتدر اور مایۂ ناز شخصیات اس طوفانِ بے ہنگام اور جاں گداز حالات کا شکار ہوئیں

ایسے ہی دلخراش و دلدوز، روح فرسا اور ایمان سوز حالات و واقعات سے امام الائمہ، سراج الامہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی دوچار ہوئے۔ جنہیں خالقِ کائنات نے جامع صفات و کمالات کا مرقع بنایا اور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے علم و فضل کو آشکارا کرتے ہوئے یہ دل آویز بشارت سنائی:-

"لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجل من ھولاء" (مسلم شریف)

اگر ایمان کہکشاں میں بھی ہوگا تو ان میں سے ایک آدمی اسے بھی پالے گا۔

چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ امام الائمہ، سراج الامہ آسمان علم و حکمت پر بدر منیر بن کر چمکے۔ اور علوم قدرت کے بحرِ عمیق میں غوطہ زن ہو کر دُرہائے ناسفتہ اور گنج ہائے گراں مایہ سے امت کو مالا مال کر دیا، اس مہتاب جہاں تاب نے قرآن و حدیث کی تشریح و تعبیر کو اجتہاد کے ایمان افروز گلدستہ میں سجایا جس نے "یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" (جمع الجوامع) احکام میں آسانی کا پہلو اجاگر کرو اور تنگی میں لوگوں کو نہ ڈالو۔ خوشخبری سناؤ اور دین سے نفرت نہ دلاؤ) فرمانِ نبوی کو اجتہاد کی حکمتِ عملی کے قالب میں ڈھال دیا۔

امام الائمہ، سراج الامہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر مایہ ناز علماء اور مقتدر ائمہ کرام آپ کے فضل و کمال اور علمی برتری و فوقیت کے نہ صرف قائل تھے بلکہ آپ کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے قسامِ ازل نے آپ کو ایسی لازوال شہرت سے نوازا جو تا ابد تابندہ و درخشندہ رہے گی اور ساری دنیا میں آپ کے متبعین کی غالب اکثریت موجود رہی۔ لیکن بایں ہمہ آپ کی لافانی شہرت کو داغدار کرنے کی مذموم جسارت کا ارتکاب بھی ہوتا رہا۔ آپ کے خلاف الزامات و افتراآت کی ایسی بوچھاڑ ہوئی کہ صداقت و شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔

اغیار کے ساتھ بعض اخیار بھی اس رو میں بہہ گئے۔ انہیں امام الائمہ، سراج الامہ کی ذات والا صفات میں عیوب و نقائص کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ ان کے بلند پایہ علمی مقام، بے مثال ورع و تقویٰ اور جلالتِ قدر کا پاس لحاظ کئے بغیر بے بنیاد اور پادر ہوا۔ اعتراضات کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو ان کی ذات سے بدظن کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن اللہ کریم نے سراج الامہ کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو اجاگر کرنے کے لئے ہر دور میں ایسے رجال کار پیدا کئے جنہوں نے خداداد علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان کے تابناک دامن سے اعتراضات و الزامات کا گرد و غبار دور کرتے رہے جس سے چراغِ حنفیت مخالفت کے پھونکوں پر ہمیشہ خندہ زن رہا ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس مضمون اور تحریر کی انگیخت دراصل آپ کے موقر ادارہ موتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی تازہ پیشکش "دفاع ابوحنیفہ" بنی جو اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے اور جس کے شروع میں جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق مدظلہ العالی کی تحریر بطور پیش لفظ کے شامل اشاعت ہے۔ جو مولانا عبدالقیوم حقانی

کی مایۂ ناز علمی کاوش، فقید المثال تصنیف اور تحقیقی دستاویز ہے۔

جناب حقانی صاحب نے بے حد جاں فشانی اور تحقیق و تجسس سے یہ نادر علمی مرقع تیار کیا ہے۔ جو انتہائی قابل قدر لائق صد تحسین و تبریک اور بے حد شستہ و شگفتہ انداز بیان پر مشتمل ہے۔ حضرت علامّ نے گلہائے رنگا رنگ کی نگہتوں سے کتاب کو مزین کیا۔ " دفاع " کا حق ادا کرتے ہوئے ہر پہلو پر سیر حاصل اور بے حد مفید بحث کی ہے۔ تحقیق و تدقیق کے انمول موتیوں سے کتاب کو مرصع کیا۔ اور امام الائمہ، سراج الامہ پر عائد کردہ گھسے پٹے پرانے اور طرز جدید کے تمام الزامات و افتراآت کا بڑی دانشمندی اور سنجیدگی سے دفاع کیا ہے۔ مصنف علامّ نے نہ صرف " دفاع " ہی کو پیش نظر رکھا۔ بلکہ اس " عظیم اسلام " کی علوم و معارف قرآنیہ میں مہارت کاملہ۔ احادیث کے اسرار و رموز اور منشار و حکمت پر نظر عمیق اور اجتہاد و استنباط میں اعلیٰ و ارفع مقام اور قابل تقلید ورع و تقویٰ جیسی تمام حیثیتوں کو آشکارا کر دیا ہے۔ بنابریں کتاب دفاع ابوحنیفہ معرکۃ الآراء اور علمی شاہکار ہے۔

کتاب اپنی منفرد حیثیت کی بنا پر علماء کرام، طلبا اور ہر پڑھے لکھے حنفی مسلک کے لئے یکساں طور فیض بار ہے۔ ہر حنفی مسلمان اسے حرز جاں بنائے اور مولانا موصوف کی اس بے مثال تحقیقی و علمی دستاویز سے بھرپور فائدہ اٹھائے اور اللہ جل شانہٗ مصنف علامّ کو اجر جزیل مرحمت فرمائے اور ان کے علم اور قلم کو بیش از بیش فیض بار بنائے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ واقعتہً ایک عظیم علمی شاہکار کی اشاعت پر ادارہ کے مؤسس و صدر مولانا سمیع الحق مدظلہ کو ہدیۂ تبریک پیش کر رہا ہوں۔ (محمد عبدالمعبود عفی عنہ، مؤلف تاریخ مکۃ المکرمۃ تاریخ مدینۃ المنورہ)

~~~ × ~~~

از صـ۶۰

سوا ہر مذہب میں ایسا کہ بعد کے زمانہ میں اس کے ماننے والوں نے اپنی عقل سے اس میں اضافے کئے۔ ان اضافوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدائی کلام کے ساتھ انسانی کلام شامل ہو گیا۔ اس طرح اس کی ابدیت ختم ہو گئی۔ جو چیز ماضی میں عقلی نظر آتی تھی وہ بعد کے زمانہ میں غیر عقلی ہو کر رہ گئی۔

اب مذاہب کی فہرست میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی ابتدائی حالت میں محفوظ رہنے کی وجہ سے ان دونوں صفتوں کو اپنے اندر برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اس میں آفاقیت بھی مکمل طور پر ہے اور عقلیت بھی مکمل طور پر +
~~~

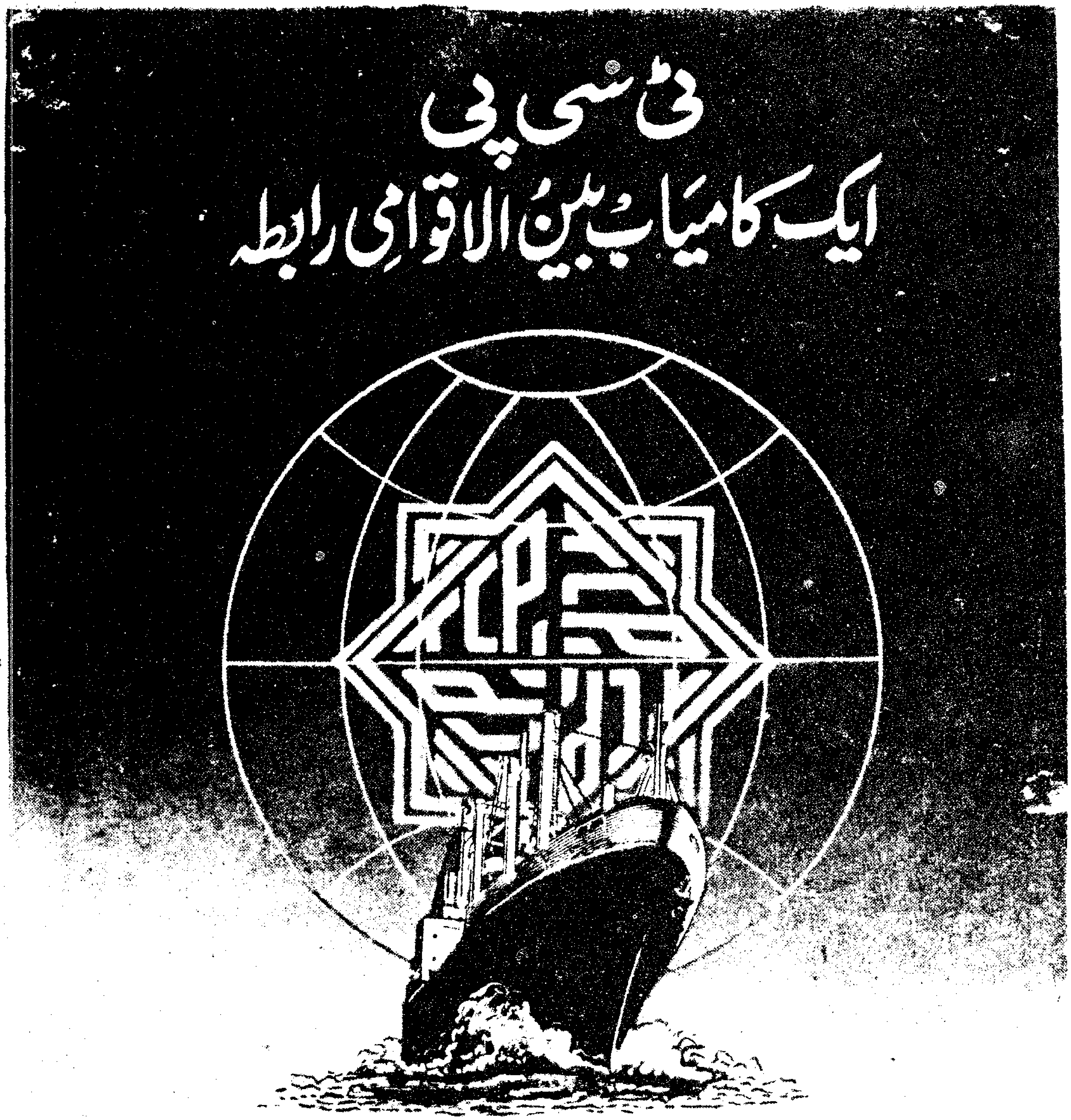

ہماری ضمانت

- بروقت ترسیل
- بہترین خدمات
- مناسب قیمتیں
- معیاری کوالٹی کنٹرول

ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان لمیٹڈ
[illegible] ہاؤس۔ آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی۔ پاکستان
ٹیلیفون [illegible] ٹیلیگرام TRACOPK ٹیلیکس 2784 TCP PK

از جناب وحید الدین خان

دورِ جدید کا سائنسی معیار اور دینِ اسلام کی ابدیت و آفاقیت

تاریخی حقائق، تقابل و تجزیہ اور اسلام کی برتری

جدید انسان ایک عجیب مشکل (DILEMMA) سے دوچار ہے۔ اس کے پاس ٹکنالوجی ہے مگر اس کے پاس فلسفۂ حیات نہیں۔ اس کے پاس جسمانی سفر کے لئے مشین ہے مگر اس کے پاس روحانی سفر کے لئے عقیدہ نہیں یہی جدید انسان کا اصل مسئلہ ہے۔ برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲-۱۹۷۰ء) نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم بجلی کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں صرف یہ کہ اس کو ہم کس طرح اپنے لئے کارآمد بنا سے زیادہ جاننے کی خواہش بے فائدہ مابعد الطبیعات میں چھلانگ لگانے کے ہم معنی ہے۔

برٹرینڈ رسل اور اس جیسے دوسرے بے شمار لوگوں کی اصل مشکل یہ ہے کہ وہ صرف "بجلی کیا ہے" کے سوال کو لینا چاہتے ہیں۔ اور "بجلی کیوں ہے" کے سوال کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں۔ مگر انسانی فطرت اس تفریق پر راضی نہیں۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ بجلی کو عملاً استعمال کرنے کے ساتھ اس حقیقت کو بھی جاننا چاہتے یہ ایک ایسا لازمی سوال ہے جس سے اپنے آپ کو خالی کرنا کسی انسان کے لئے ممکن نہیں۔

نظریاتی سوالات کا جواب معلوم کئے بغیر بھی بجلی ہمارے کارخانوں کو چلاتی ہے۔ اور ہمارے شہروں کو روشن کر رہی ہے۔ مگر انسانی فطرت اس سے انکار کرتی ہے کہ وہ یہیں ٹھہر جائے۔ وہ بجلی کو استعمال کرے مگر بجلی کی حقیقت کو جاننا نہ چاہے۔ آدمی عین اپنی فطرت کے مجبور ہے۔ کہ وہ بجلی کیا ہے کے سوال کے ساتھ "بجلی کیوں ہے" کے سوال پر بھی غور کرے۔

اسی دوسری چیز کا نام عقیدہ ہے اور انسان عقیدہ (FAITH) کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جدید انسان کی اصل کمزوری یہی ہے کہ اس نے عقیدہ کو کھو دیا ہے اب اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ آج صحیح اور سچا عقیدہ صرف اسلام ہے تو یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ آج کے انسان کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ اسلام ہے

سائنسی معیار

دورِ جدید کا مذہب اسلام ہے۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں جو دورِ جدید کے معیار پر پورا اتر سکے۔ اس لئے اسلام کے سوا کوئی مذہب نہیں جس کو دورِ جدید کا مذہب کہنا باعتبارِ حقیقت درست ہو۔ موجودہ دور سائنسی دور ہے۔ موجودہ دور میں انسان ہر چیز کو سائنسی معیار پر جانچتا ہے جو سائنسی معیار

پوری نہ اترے اس کو رد کر دیتا ہے۔

ابتداءً ہر مذہب سچا مذہب تھا مگر بعد میں ہونے والی انسانی ملاوٹوں کے نتیجہ میں مذاہب اس قابل نہ رہے کہ وہ سائنس کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں جب کہ اسلام ایک محفوظ دین ہے اور اس بنا پر وہ سائنسی معیار پر صد فی صد پورا اترنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام موجودہ زمانہ میں بلا مقابلہ کامیابی کی پوزیشن میں ہے بشرطیکہ اسے جدید انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

سائنسی معیار کیا ہے اور غیر سائنسی معیار کیا۔ اس کو سمجھنے کے لئے ایک سادہ سی مثال لیجئے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے برٹرینڈ رسل نے لکھا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ حقیقت وہ ہے جو مشاہدہ کے ذریعہ معلوم ہو نہ کہ وہ جس کو محض قدیم سندوں کی بنا پر مان لیا جائے مگر یہ مکمل طور پر ایک جدید تصور ہے جو سترھویں صدی سے پہلے بمشکل اپنا وجود رکھتا تھا۔ ارسطو نے دعویٰ کیا کہ عورتوں کے دانت مردوں سے کم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس کی شادی دوبارہ ہوئی تھی۔ اس کو کبھی یہ خیال نہ آیا کہ اس بیان کی تصدیق اپنی بیویوں کے منہ کو دیکھ کر کرے۔

مذکورہ مثال کے مطابق سائنسی معیار واقعاتی معیار ہے۔ اور غیر سائنسی معیار قیاسی معیار۔ ارسطو نے محض قیاس کی بنیاد پر یہ مان لیا کہ عورت کے منہ میں مرد سے کم دانت ہیں۔ اس نے عورت کو کم درجہ کی مخلوق فرض کیا۔ اس لئے اس نے قیاس کیا کہ عورت جب کم درجہ کی مخلوق ہے تو اس کے منہ میں دانت بھی نسبتاً کم ہونے چاہئیں۔ اس کے برعکس برٹرینڈ رسل کا ذہن دورِ جدید میں بنا ہے جو ہر چیز کا واقعاتی تجزیہ چاہتا ہے اس لئے اس نے کہا کہ قیاس کی بنیاد مت مانو بلکہ عورت اور مرد دونوں کا منہ کھول کر ان کے دانت گنو۔ اور پھر دیکھو کہ دونوں کے دانت برابر ہیں یا ایک دوسرے سے کم ہیں۔

قدیم زمانہ قیاسی معیار پر باتوں کو ماننے کا زمانہ تھا اس لئے قدیم زمانہ میں یہ ممکن تھا کہ جو مذہب بھی رائج ہو اس کو قیاسی مفروضات کی بنا پر درست مان لیا جائے۔ مگر موجودہ زمانہ میں آدمی کسی بات کو صرف اس وقت مانتا ہے جب کہ اس کے متعلق تمام حقائق کا تجزیہ کر کے وہ اس کی معقولیت کو بالواسطہ یا براہِ راست طور پر جان چکا ہو۔

یہ وہ معیار ہے جس کو منطبق کرنے کے بعد دوسرے تمام مذاہب اپنے آپ رد ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد صرف اسلام باقی رہتا ہے جو سائنسی معیار پر پورا اترے۔

<u>مذہب توحید</u> | سائنس نے جو کائنات دریافت کی ہے اس میں مکمل وحدت ہے۔ پوری کائنات یکساں قسم کے قانون کے تحت نظر آتی ہے۔

ایک برطانوی سائنسدان پروفیسر آئن راکس برگ (IANROXBURG) کائنات کیوں اس قدر

یکساں ہے (WHY IS THE UNIVERSE SO UNIFORM ?) کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ کائنات تعجب خیز حد تک یکساں ہے۔ ہم خواہ کسی طور پر بھی اس کو دیکھیں۔ کائنات کے اجزاء میں وہی ترکیب اسی تناسب سے پائی جاتی ہے۔ زمین پر جو طبیعاتی قوانین دریافت کئے گئے ہیں وہ تحکمی اعداد پر مشتمل ہیں۔ جیسے کسی الیکٹران کی مقدار مادہ کا تناسب ایک پروٹان کے مقدار مادہ کا سب ایک نیوٹران کے مقدار مادہ سے جو کہ تقریباً ۱۸۴۰ کے مقابلہ میں ایک ہوتا ہے۔ یہی تناسب ہر جگہ اور ہر وقت پایا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے کیا ایک خالق نے تحکمی طور پر انہیں اعداد کا انتخاب کر رکھا ہے۔ کیا کائنات کے وجود کے لئے ان اعداد میں وہی تناسب قدر ضروری ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ پروفیسر آئن راکس برگ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

سائنس نے جو کائنات دریافت کی ہے وہ کائنات وحدت ہے ایسی کائنات میں صرف توحید کا تصور فٹ بیٹھتا ہے۔ شرک کا تصور سائنسی کائنات کے ساتھ کسی طرح ہم آہنگ نہیں۔

اب مختلف مذاہب کو دیکھئے تو تمام مذاہب مشرکانہ عقائد پر مبنی نظر آتے ہیں۔ پارسی کائنات میں دو خدا مانتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک خدا کی تعداد تین ہے۔ ہندو ازم میں خدا کی تعداد کم سے کم ۲۳ اور زیادہ سے زیادہ ۳۳ کروڑ بتائی گئی ہے۔ افریقہ کے قبائلی مذاہب میں ہر چیز خدا ہے۔ صرف ایک انسان ہے جو اس خدائی میں شامل نہیں وغیرہ۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نہایت واضح اور قطعی طور پر اس بات کا مبلغ ہے کہ خدا صرف ایک ہے۔ یہاں ایک اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔

اسلام اور دوسرے مذاہب کے اس فرق کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ جدید سائنسی دنیا میں جو مذہب قابل قبول ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اسلام ہے جو خالص توحید کا مذہب ہے۔ دوسرے مذاہب جدید سائنسی دنیا میں غیر مطابق ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ وہ شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور شرک کا اصول جدید سائنس کی دریافت کائنات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں۔

مشرکانہ مذاہب: اسلام کے سوا دوسرے مذاہب مشرکانہ مذاہب ہیں۔ مشرکانہ مذاہب میں فطرت کے مظاہر کو خدا کا درجہ دیا گیا ہے۔ اور ان کو مقدس سمجھ کر ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ شرک دراصل مظاہر فطرت کی پرستش ہی کا دوسرا نام ہے۔

موجودہ زمانہ میں فطرت کے ان مظاہر کی نہایت تفصیلی تحقیق کی گئی ہے۔ اور ان کے بارے میں قطعی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ یہ معلومات ان مظاہر فطرت کی خدائی کو بے بنیاد ثابت کر رہی ہیں۔

مثال کے طور پر ہندو ازم میں چاند کو دیوتا بتایا جاتا ہے۔ ہندو عقیدہ رکھنے والے لوگ قدیم ترین زمانہ سے چاند کو پوجتے چلے آرہے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں چاند کی علمی تحقیق کی گئی۔ دوربینوں سے اس کا

مشاہدہ کیا گیا۔ چاند کی مٹی کو زمین پر لاکر لیبارٹری میں اس کا تجزیہ کیا گیا حتیٰ کہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں روس کا راکٹ چاند پر اتر گیا۔ اس کے بعد جولائی ۱۹۶۹ء میں امریکی خلاباز نیل آرم اسٹرانگ نے چاند پر اپنے قدم رکھ دئے اس طرح آخری طور پر معلوم ہو گیا کہ چاند کوئی دیوتائی چیز نہیں ہے۔ وہ محض ریت اور پتھر کا ایک مجموعہ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ وہ دین آج کے انسان کا دین قرار پائے گا۔ جو سورج اور چاند کو دیوتا بنا کر اسے پوجنے کے لئے کہتا ہے یا وہ دین جو انسان کا دین ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ سورج اور چاند کی پرستش نہ کرو۔ بلکہ تم اس خدا کی پرستش کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن۔ (حم السجدہ ۳۷)

حقیقت یہ ہے کہ جدید سائنسی دور میں چاند کی معبودانہ حیثیت ختم ہو گئی ہے۔ آج کا ایک شخص جو چاند کے بارے میں جدید سائنسی نقطہ نظر پر یقین رکھتا ہو وہ اسی کے ساتھ ان مذاہب پر یقین نہیں رکھ سکتا جو چاند کو دیوتا بناتے ہیں مگر اسلام کے ساتھ یہ مشکل نہیں کیونکہ اسلام چاند کو اور اسی طرح کے دوسرے اجرام سماوی کو مخلوق بتاتا ہے نہ کہ خالق اور معبود۔

مذہبی سادگی اسلام کی ایک خصوصیت اس کی فطری سادگی ہے۔ جو جدید سائنسی ذہن کے عین مطابق ہے۔ جدید انسان کا ذہن نیچر کے مطالعہ سے بنا ہے اس لئے نیچر میں جو سادگی ہے وہی سادگی جدید ذہن کے لئے بھی پسندیدہ چیز بن گئی ہے۔ جدید ذہن کے لئے وہی مذہب قابل قبول ہو سکتا ہے۔ جس میں فطری سادگی ہو۔ جو مذہب فطری سادگی سے خالی ہو وہ جدید ذہن کے لئے قابل بھی نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے سوا تمام مذاہب فطری سادگی سے بھی اور عملی سادگی سے بھی

موجودہ مسیحیت جس فلسفیانہ عقیدہ پر قائم ہے وہ تثلیث ہے یعنی تین میں ایک، ایک میں تین۔ ریاضیاتی طور پر یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ کوئی چیز بیک وقت ایک بھی ہو اور اسی کے ساتھ تین بھی۔ ایک سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے۔ دہلی یونیورسٹی کے ایک عیسائی پروفیسر سے پوچھا گیا کہ تثلیث کا مطلب کیا ہے۔ پروفیسر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ If you ask me I don't know, if you don't ask I know.

یہودیت ایک اور اعتبار سے غیر سادگی کا منظر پیش کرتی ہے موجودہ بائبل میں عبادت اور قربانی کے مراسم اتنے زیادہ بتائے گئے ہیں کہ عام انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہو گیا ہے کہ وہ ان تمام مراسم کی پابندی کرتے ہوئے عبادت اور قربانی کر سکے۔

بائبل کے باب کے باب اس قسم کے جزئی مراسم کی تفصیل سے بھرے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر حسب

ذیل ابواب ملاحظہ ہوں :-

احبار (LEVITICUS)
گنتی (NUMBERS)

اس کے مقابلہ میں اسلام کی عبادت ظاہری رسمیات سے بالکل خالی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی عبادت ایک انتہائی سادہ عمل کا نام ہے۔ سر ایڈورڈ ڈینسن راس نے اسلام کی فطری سادگی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ اسلامی عقیدہ کی سادگی غالباً اسلام کی اشاعت میں زیادہ بڑا عامل تھی، بمقابلہ غازیوں کی تلوار کے۔

اسلام کی یہ سادگی جس نے قدیم زمانہ میں بے شمار انسانوں کو اسلام کی طرف راغب کیا اس کی وہی سادگی مزید اضافہ کے ساتھ جدید انسان کے لئے کشش کا باعث ہے۔ جدید انسان کا فطرت پسند ذہن اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں اپنی حقیقی تسکین نہیں پا سکتا۔

درمیانی واسطہ نہیں | جدید انسان کا ایک خاص ذوق یہ ہے کہ وہ حقیقتوں سے براہ راست طور پر مربوط ہونا چاہتا ہے۔ موجودہ سائنسی دنیا میں وہ تمام چیزوں سے براہ راست ربط قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے اس اس لئے یہ بالکل فطری بات ہے کہ وہ خدا سے بھی براہ راست مربوط ہونا چاہے۔ آج کا انسان میکرو کاسمک ورلڈ (ستاروں اور سیاروں کی دنیا) کو اپنی دوربینوں کے ذریعے براہ راست دیکھتا ہے اسی طرح وہ مائیکرو کاسمک ورلڈ (بیکٹیریا اور مالیکیول کی دنیا) کو اپنی خوردبینوں کے ذریعہ براہ راست دیکھ رہا ہے ان تجربات سے اس کا جو ذہن بنتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ حقائق کا براہ راست تجربہ کرے۔

اس اعتبار سے بھی اسلام ہی واحد مذہب ہے جو جدید ذہن کو اپیل کرنے والا ہے۔ دیگر تمام مذاہب میں خدا اور انسان کے درمیان واسطے مقرر ہو گئے ہیں۔ کسی مذہب میں پیشواؤں کا واسطہ کسی مذہب میں روحوں کا واسطہ، کسی مذہب میں خدا کے بیٹے اور خدا کے فرشتوں کا واسطہ، وغیرہ۔

جدید انسان خدا سے براہ راست مربوط ہونا چاہتا ہے۔ لیکن دیگر مذاہب اس کو صرف بالواسطہ انداز سے مربوط ہونے کا راستہ دکھاتے ہیں۔

آج کی دنیا میں صرف اسلام ہی ایک مذہب ہے جو خدا سے براہ راست مربوط ہونے کا طریقہ بتا رہا ہے۔ اسلام کے نزدیک بندے اور خدا کے درمیان ربط قائم ہونے کے لئے کسی تیسرے واسطہ کی ضرورت نہیں آدمی جس وقت چاہے خدا کی طرف متوجہ ہو اور وہ اپنے آپ کو خدا کے ربط (CONTACT) میں پائے گا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۔

اور جب میرے بندے میرے بارہ میں پوچھیں تو میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب کہ وہ مجھے پکارتا ہے ۔

تاریخی معیار: خدا کی طرف سے جو پیغمبر حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ تھے ان دونوں پیغمبروں کا ذکر آتا ہے تو قدرتی طور پر مصر کی تاریخ بھی اس سے وابستہ ہو جاتی ہے ۔

ان دونوں پیغمبروں کا ذکر بائبل میں بھی ہے اور قرآن میں بھی ۔ بائبل جب حضرت یوسفؑ کا ذکر کرتی ہے تو ان کے زمانہ کے بادشاہ کا نام وہ فرعون (PHAROAH) بتاتی ہے اسی طرح بائبل میں جہاں موسیٰؑ کا ذکر ہے وہاں بھی ان کے ہم عصر بادشاہ مصر پر حکومت کر رہا تھا ۔ وہ بھی فرعون تھا اور حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جو بادشاہ مصر پر حکومت کر رہا تھا وہ بھی فرعون تھا ۔

یہ بات جدید تحقیقات سے غلط ثابت ہوئی ہے ۔ جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں ان لوگوں کی حکومت تھی جن کو چرواہے بادشاہ (HYKSOS KINGS) کہا جاتا ہے یہ لوگ اصلاً مصری نہ تھے بلکہ عرب نسل سے تعلق رکھتے تھے ۔ وہ باہر سے آکر مصر میں اسی طرح حکمران بن گئے جس طرح انگریز ہندوستان میں ایک عرصہ تک حکمران رہے ۔ چرواہے بادشاہوں کا یہ خاندان دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر پندرھویں صدی قبل مسیح کے آخر تک مصر پر قابض رہے ۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک یہ خاندان مصر پر حکمران رہا ۔ اس کے بعد مصر میں ان کے خلاف بغاوت ہوئی اور ان کو مصر سے نکال دیا گیا ۔ اور ان کی جگہ ایک مصری خاندان کی حکومت قائم ہوئی ۔ یہی مصری خاندان ہے جس کے بادشاہوں نے سب سے پہلے فرعون کا لقب اختیار کیا ۔

اس سے ظاہر ہوا کہ بائبل کا بیان جدید تاریخی تحقیقات سے ٹکرا رہا ہے ۔ بائبل حضرت یوسف اور حضرت موسیٰؑ دونوں پیغمبروں کے ہم عصر بادشاہوں کو فرعون کہتی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ فرعون صرف حضرت موسیٰؑ کے ہم عصر بادشاہ کا لقب تھا نہ کہ حضرت یوسف کے ہم عصر بادشاہ کا ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائبل جدید تاریخی معیار کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔ ایک شخص بائبل کو مانے تو اس تاریخ کو رد کرنا پڑے گا ۔ اس کے برعکس اگر وہ تاریخ کی تحقیق کو مانے تو اس کی نظر میں بائبل ناقابل اعتبار پائے گی ۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید انسان مجبور ہے کہ وہ بائبل کو رد کرے، الا یہ کہ وہ اپنے سائنسی ذہن سے دست بردار ہو جائے ۔

مگر قرآن کا معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ قرآن میں حضرت یوسفؑ کے زمانہ کے بادشاہ کا بھی ذکر ہے اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے بادشاہ کا بھی ذکر ہے۔ مگر قرآن انتہائی بامعنی طور پر دونوں کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اس نے حضرت یوسف کے ہمعصر بادشاہ کے لئے عزیز کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کے معنی حکمراں یا ذی اقتدار کے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس قرآن جب حضرت موسیٰؑ کا ذکر کرتا ہے تو وہاں وہ ان کے ہم عصر بادشاہ کو واضح طور پر فرعون کہتا ہے گویا قرآن کے نزدیک حضرت یوسف کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ دوسرا تھا۔ اور حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ دوسرا۔

اس طرح مکمل طور پر یہ اہلیت رکھتا ہے کہ وہ جدید علم کا سامنا کر سکے۔ کیونکہ جدید علمی تحقیقات اور قرآن کا بیان دونوں کامل طور پر ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ یہاں آدمی کو یہ ضرورت نہیں کہ وہ قرآن کو ماننے کے لئے جدید علم کو چھوڑنے پر مجبور ہو یا جدید علم کو ماننا اس کے لئے صرف اس وقت ممکن ہو جب کہ وہ قرآن سے دست بردار ہو جائے۔

اسلام کی برتری | مریم جمیلہ ایک امریکی نو مسلمہ ہیں وہ امریکہ کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے مسلم ممالک کا سفر کیا بالآخر ایک پاکستانی مسلمان سے شادی کر لی اور اب وہ پاکستان میں مقیم ہیں۔ ان کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے اسلام مغرب کے مقابلہ میں (ISLAM VERSUS THE WEST) اس کتاب میں وہ اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

یونیورسٹی کی تعلیم کے زمانہ میں میں نے ایک مضمون لیا جو "یہودیت اسلام میں" کہا جاتا تھا میرا عربی پروفیسر اپنے طلبہ کو جو سب کے سب یہودی تھے اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ اسلام کا یہودیت سے اس کہ اسلام کا ماخذ یہودیت ہے۔ ہماری نصابی کتاب میں قرآن کی ایک ایک آیت کو لے کر دکھایا گیا تھا۔ کہ کس طرح وہ یہودی ذرائع علم پر مبنی ہے۔ پروفیسر کے لیکچر کے ساتھ ہم کو ایسے فلم اور سلائڈ بھی دکھائے جاتے تھے جن میں صیہونیت اور یہودی ریاست کی تعریف ہوتی۔ اگرچہ پروفیسر کا حقیقی مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ اسلام پر یہودیت کی برتری ثابت کرے مگر میرے اوپر اس کا اثر بالکل الٹا پڑا۔

جیسے جیسے میں نے قدیم عہد نامہ اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا۔ دونوں کا تضاد مجھ پر نمایاں ہوتا چلا گیا۔ ایک معنی میں قدیم عہد نامہ صرف یہودیوں کی تاریخ تھی جو خدا کے چنے ہوئے لوگ تھے۔ قرآن اگرچہ عربی زبان میں ایک عرب پیغمبر پر اترا۔ اس کا پیغام ایک عالمی پیغام ہے جو تمام نسل انسانی کو خطاب کرتا ہے۔ جب میرے پروفیسر نے بتایا کہ فلسطین پر یہودیوں کا خدائی حق ہمیشہ سے یہودی شریعت کا مرکزی جز رہا ہے تو مجھے خدا کے اس تنگ نظر عقیدہ سے بہت دھکا لگا۔

کیا قرآن یہ نہیں کہتا کہ پورب پچھم سب خدا کے ہیں۔ تم جدھر بھی رخ کرو ادھر خدا تمہارے لئے موجود ہوگا

کیا پیغمبر اسلام نے نہیں کہا کہ تمام زمین خدا کی مسجد ہے۔ صیہونیت کہتی ہے کہ یہودیوں کا وطن صرف فلسطین ہے دوسری جگہ وہ جلاوطن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے پروفیسر کا دعویٰ کہ یہودی صرف فلسطین میں رہ کر انسانی تہذیب میں اپنا حصہ ادا کر سکتے ہیں بے بنیاد نظر آتا ہے۔ جب اس حقیقت کو دیکھا جائے کہ حضرت موسیٰ پر وحی مصر میں آئی۔ تالمود کے انتہائی اہم حصے اس سرزمین میں لکھے گئے جسے آج عراق کہتے ہیں۔

اسلام اتنا برحق مذہب ہے کہ دوسرے مذہبوں سے اس کا سادہ تقابل ہی اس کی برتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ بائبل ایک قوم کی قومی تاریخ معلوم ہوتی ہے جب کہ قرآن میں عالمی انسانی پیغام ملتا ہے۔ یہودیت کے نزدیک سارا تقدس بس فلسطین کی سرزمین میں ہے۔ جب کہ اسلام کہتا ہے کہ ساری زمین خدا کی زمین ہے۔ یہودیت کے مطابق ان کے مذہب اور فلسطین کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ خود حضرت موسیٰ کو خدا نے فلسطین سے باہر خطاب کیا۔ اور یہودیوں کی مقدس مذہبی کتاب فلسطین کے باہر مرتب کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اتنا کامل اور اتنا برحق دین ہے کہ دوسروں کے سامنے صرف اس کو سادہ صورت میں پیش کر دینا کافی ہے بشرطیکہ ہم اس کو کسی ملاوٹ کے بغیر اس کی اصلی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔

<u>جدید تقاضا</u> موجودہ زمانہ کے ایک مفکر نے لکھا ہے کہ آج کے انسان کے لئے وہی مذہب قابل قبول ہو سکتا ہے جس کی تعلیمات عالمی ہوں اور جس کا فکر عقلیت پر مبنی ہو۔ (universal in content and rational in thought.)

مذکورہ مفکر کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ یہ دونوں صفات آج صرف اسلام کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اسلام کے سوا دوسرا کوئی مذہب نہیں جو دورِ جدید کے اس معیار پر پورا اترے۔

اسلام اپنی ابتدائی ربانی شکل میں آج بھی کامل طور پر محفوظ ہے۔ جب کہ دوسرے مذاہب کا حال یہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں ان کے اندر انسانی آمیزش چلی گئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی آفاقیت بھی کھو دی اور اسی کے ساتھ اپنی عقلیت بھی۔ انسان کی محدودیت نے خدائی مذاہب میں شامل ہو کر خدائی مذہب کو بھی محدود کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب میں انسان اور انسان کے درمیان تفریق پائی جاتی ہے چونکہ لوگوں کے درمیان تفریق اور امتیاز موجود تھا۔ انہوں نے اپنی اس عملی حالت کو نظریاتی جواز فراہم کرنے کے لئے اس کو ایک مذہبی چیز بنایا اور پھر اس کو اپنی مذہبی کتابوں میں داخل کر دیا۔ مذاہب میں بادشاہ اور رعایا کی تقسیم۔ آزاد اور غلام کی تقسیم، امیر اور غریب کی تقسیم، مذہبی پیشوا اور عام انسان کی تقسیم۔ یہ تمام چیزیں اسی تاریخی غلطی کا نتیجہ ہیں

یہی معاملہ عقلیت کا بھی ہے انسان کی عقل محدود ہے وہ حدبندیوں میں رہ کر سوچتی ہے۔ اسلام کے

باقی صہ۵۱ پر

جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب فانی

شمع عرفان

شیخ القرآن حضرت مولانا عبد الہادی صاحب شاہ منصوری قدس سرہٗ کی یاد میں

عبد ہادی وہ محدّث شیخ قرآں اب کہاں
نیرّ نورِ ہدایت شمع عرفاں اب کہاں

آسمانِ علم کا وہ ماہِ تاباں اب کہاں
ڈھونڈتی نظریں ہیں جس کو مہرِ رخشاں اب کہاں

ذرّہ ذرّہ مجھ کو پژمردہ نظر آتا ہے آج
محفلِ ہستی میں اب وہ شور و طوفاں اب کہاں

خوں فشاں ہر چشم ہے اور ہر نفس بے چین ہے
رازدانِ کن فکاں وہ فضلِ سبحاں اب کہاں

ہو چکی ہے سلب دل سے قوتِ ضبطِ فغاں
طاقتِ صبر و شکیب اے دلفگاراں اب کہاں

گلستاں میں ہر کلی بے نکہت و بے رنگ ہے
رونقِ بزمِ چمن رنگِ بہاراں اب کہاں

بن گیا ماتم سرا ساقی حسینی خم کدہ
وہ سرور و کیف و مستی ذوقِ وجداں اب کہاں

میکدہ باقی ہے لیکن پیرِ مے خانہ نہیں
شورشِ رنداں ہجومِ مے گساراں اب کہاں

علمِ تفسیر و روایت آج ہیں ماتم گسار
ہائے اللہ واقفِ اسرارِ فرقاں اب کہاں

قطبِ اقطابِ طریقت عارف و کامل ولی
ہادیِ راہِ صفا وہ جانِ جاناں اب کہاں

مرشدِ کامل فقیہ النفس زاہد متقی
پیکرِ جود و سخا و بحرِ فیضاں اب کہاں

مشغلہ جس کا تھا روز و شب ہی تفسیرِ قرآں
وہ ہمالہ، توکل شاہِ ذیشاں اب کہاں

بوذر و سلماں صفت تھے فقر و فخری کے نظیر
شاہدِ کشف و کرامت قبلۂ جاں اب کہاں

عالمِ تفسیرِ قرآں مسند آرائے حدیث
خضرِ راہِ معرفت وہ مردِ میداں اب کہاں

نازشِ ملت تھے میرِ کاروانِ اہلِ حق
قدوۂ اہلِ ہدیٰ و اہلِ ایماں اب کہاں

ہوگئے نذرِ یتیمی طالبانِ علمِ دیں
آہ فانیؔ وہ مجاہد شیخِ دوراں اب کہاں

"ادارہ"

تبصرۂ کتب

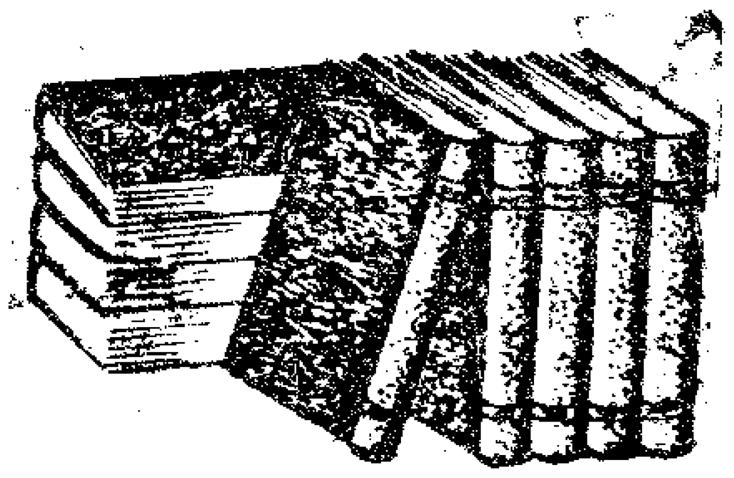

سب سے بڑے انسان | مرتبہ جناب حکیم محمد سعید ۔ صفحات ۲۴ قیمت ۶ روپے

پتہ ۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس ۔ ناظم آباد ۔ کراچی

جناب حکیم محمد سعید صاحب ملک کی معروف شخصیت اور ملک وملت کی قیمتی متاع ہیں ۔ ان کی تحریریں تصنیفی ، قومی ملی اور طبی خدمات کا ملک کا بچہ بچہ معترف ہے نسلِ نو کی اصلاح اور بہترین نشوونما کے پیشِ نظر وہ بچوں کے لئے بھی بہت کچھ لکھتے اور شائع کرتے رہتے ہیں ۔ اسی جذبہ کے پیشِ نظر اب کے بار انہوں نے حضور ؐ کی سیرت پر ایک جامع اور آسان وعام فہم تحریر لکھی جس میں پیارے نبی ؐ کی پاک زندگی ، پیارے نبی ؐ کے اخلاق ، ارشادات ، شفقت وسخاوت ، مروت ، عبادت ، عیادت ، صداقت ، برداشت وتحمل ، تعلیم وتربیت ، علم کی سرپرستی ۔ اشاعت عدل وانصاف ، عجز وانکساری ، خوش مزاجی اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے ۔ تحریر اتنی دلچسپ کہ جب شروع کر دی جائے تو ختم کئے چین نہ ملے ۔ نونہالوں اور بچوں کے لئے تو مفید ہے ہی بڑے بھی پڑھیں تو تحریر اتنی دلچسپ ہے کہ پڑھتے ہی چلے جائیں ۔

ہمدرد نونہال ، خاص نمبر | زیر ادارت جناب حکیم محمد سعید صاحب ۔ صفحات ۳۰۴ قیمت ۱۰ روپے

پتہ ۔ ہمدرد نونہال ۔ ہمدرد ڈاک خانہ ۔ ناظم آباد کراچی ۱۸

ماہنامہ نونہال جناب حکیم محمد سعید صاحب چیئرمین ہمدرد فاؤنڈیشن کی صدارت اور جناب مسعود احمد برکاتی کی ادارت میں ہر ماہ بڑی پابندی سے شائع ہوتا ہے ۔ جس میں نونہالوں کے ذہن اور ان کے مطالعاتی معیار کے مطابق علمی تاریخی ، اصلاحی ۔ طبی اور سائنسی تحریریں شائع ہوتی ہیں ۔ اس مرتبہ جولائی کے شمارہ کو خاص نمبر کے طور پر شائع کیا گیا ہے جس کو ہر لحاظ سے دلچسپ ، مفید اور مزے دار ، معلوماتی ، شگفتہ اور یادگار بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے انہیں مزید آ حیرت انگیز کہانیوں کے علاوہ دینی ہدایتیں ، تاریخی واقعات ، طبی معلومات ، سائنسی معلومات ، کھیل ، سچے قصے ، معلومات عامہ اور ادب و شاعری کے شہ پارے شامل ہیں بالخصوص جناب حکیم محمد سعید صاحب کا سفر جنوبی افریقہ کے دوران سونے کی ایک کان کا دلچسپ آنکھوں دیکھا حال اس نمبر کی جان ہے ۔ خدا کرے کہ قوم وملت کے نونہال اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں ۔

(عبدالقیوم حقانی)

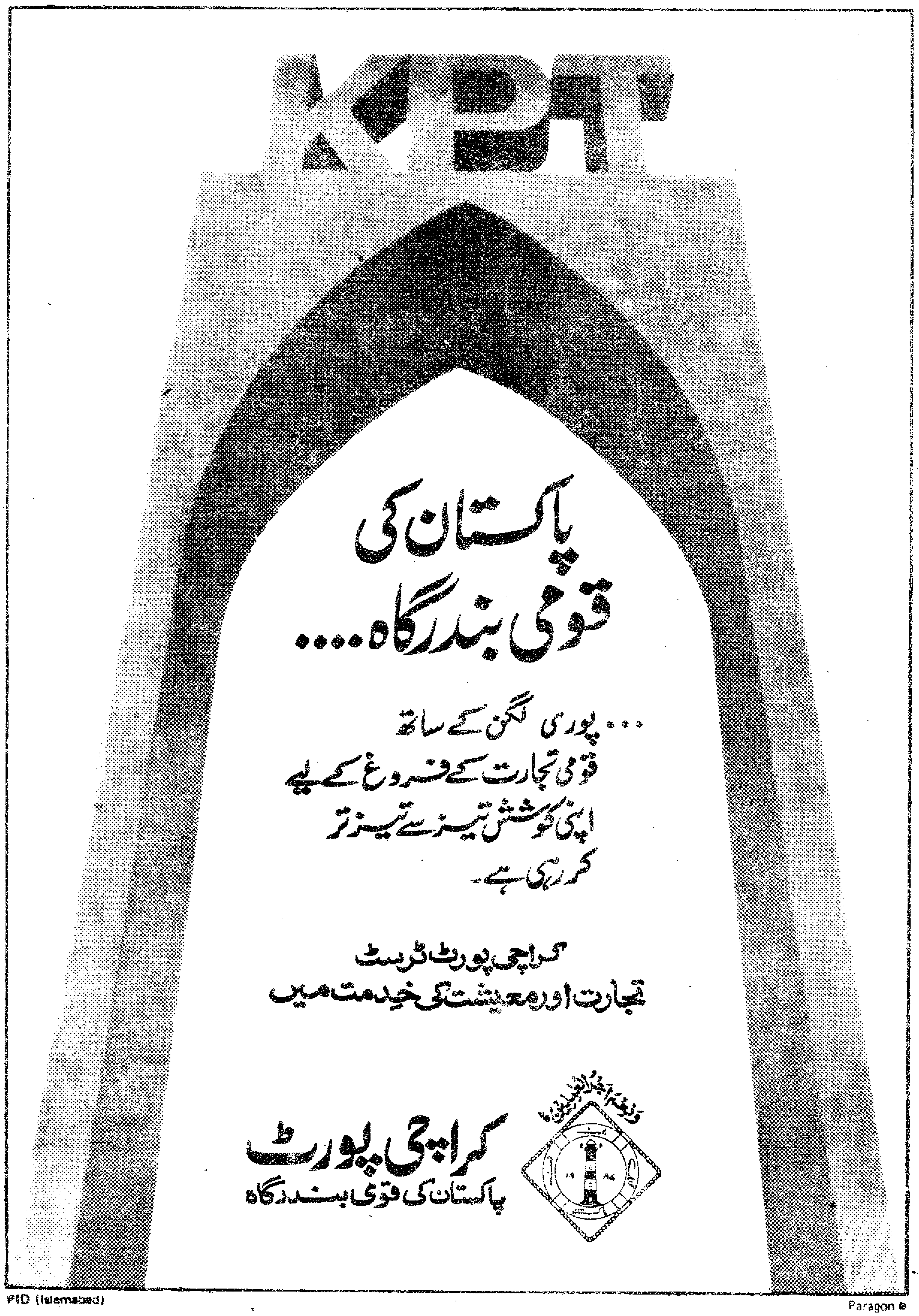

PID (Islamabad)
Paragon

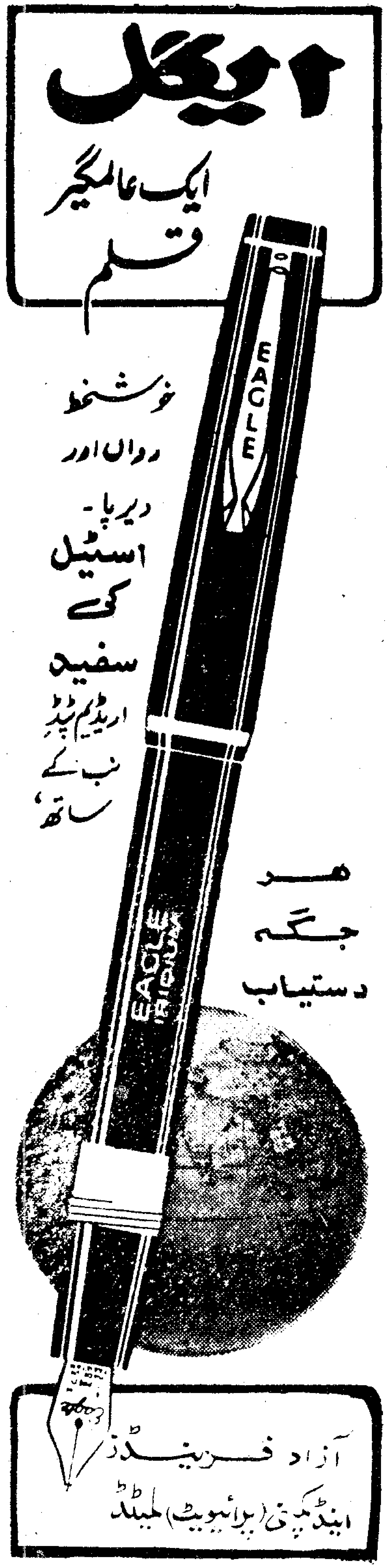
ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
کنول لنن، صنم پاپلین
بےنظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم لوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
۲۰ ڈائمنڈ ڈرِل
صنم ڈیلکس پاپلین
بول کارڈ
سوٹنگ
حُسین
کے
پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رَو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سُہراب